اسلامی علوم وتحقیقات اور زبان وادب کا ترجمان ماہنامہ

شمارہ نمبر.....:۴

التخیل

کراچی

مدیر

ابن الحسن عباسی

اسلامی علوم وتحقیقات اورزبان وادب کا ترجمان ماہنامہ

النخیل

شمارہ نمبر:4 ذیقعدہ 1440ھ جولائی 2019ء

مدیر

ابن الحسن عباسی

معاون مدیر

محمد بشارت نواز

ادارت ومشاورت

مولانا محمد حنیف جالندھری　پروفیسر خورشید رضوی　ڈاکٹر تحسین فراقی

سید عدنان کاکاخیل　جاوید اختر بھٹی　مفتی محمد ساجد میمن　محمد شفیع چترالی

راشد الحق سمیع　حافظ محمد ندیم

جامعہ تراث الاسلام، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی

alnakhil786@gmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صدائے نخیل	النخیل کا مطالعہ نمبر	مدیر کے قلم سے	۳
تعلیم وتربیت	آپ تدریس کیسے کریں؟	مدیر کے قلم سے	۵
کتابیں ہیں چمن اپنا	الأشباہ والنظائر	مفتی محمد ساجد میمن	۱۵
آدابِ معاشرت	خلاء کے آداب	محمد بشارت نواز	۲۵
اقتصاد ومعیشت	معاشرتی مسائل میں وقف کا کردار	مفتی محمد اویس نعیم	۲۸
اصلاحِ معاشرہ	مذہبی القابات اور ہماری بے اعتدالیاں	مفتی سید انور شاہ	۳۸
جدید ٹیکنالوجی	سوشل میڈیا، کتنا مفید اور کتنا مضر؟	مفتی صدیق احمد	۴۶
مسافرانِ آخرت	مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	ادارہ	۵۱
مسافرانِ آخرت	مشہور ادیب حمایت علی شاعر کی رحلت	ادارہ	۵۳
طب وصحت	کینسر کے بارے میں اہم معلومات	ڈاکٹر عبدالقدیر خان	۵۵
تعلیم وتربیت	تفسیر جلالین کی تدریس کیسے کی جائے؟	مولانا احسن خدامی	۵۸
	قصوروار اور ظالم کون؟	مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	۶۰
اردو ادب	شاہ جی کی سخن پروری	ادارہ	۶۲
جامعہ کی سرگرمیاں	تخصص فی الافتاء میں نئے داخلے	مفتی عبدالسمیع	۶۳

فی شمارہ: .... 60 روپے **سالانہ زرِتعاون:**.... 700 روپے

خط وکتابت کا پتہ:..... جامعہ تراث الاسلام، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی

رابطہ نمبر:..........03343116964، 03004097744

ای میل ایڈریس: alnakhil786@gmail.com

صدائے النخیل

النخیل کا مطالعہ نمبر

مدیر کے قلم سے

النخیل کی اگلی اشاعت مطالعہ کے لیے خاص کردی گئی ہے۔ مطالعہ علم کا اہم ذریعہ ہے لیکن دودھاری تلوار بھی ہے، زندگی کے کس مرحلے میں کونسی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے؟ یہ انتخاب اصحاب علم ومطالعہ کی رہنمائی میں ہوتو اس کی افادیت بھی ہے اور وقت کی بچت بھی ورنہ کبھی کبھار فکر وعمل کے لحاظ سے یہ نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے اور بسا اوقات غیر ضروری کتابوں کے مطالعہ سے وقت کا ضیاع بھی رہتا ہے..... مطالعہ کے رہنما اصول کیا ہیں؟ اب تک اس موضوع پر کیا کچھ لکھا گیا ہے؟..... عہدِ حاضر کی بڑی علمی شخصیات کے مطالعہ کا دائرہ کار کیا ہے؟...اور مختلف علوم وفنون میں اہم قابلِ مطالعہ کتابیں کون سی ہیں؟ ان سوالات کا جواب مطالعہ نمبر کا حصہ ہے۔ ممتاز اہل علم اور ادیبوں کے قلم سے درج ذیل سوالنامہ کا جواب آپ اس میں پائیں گے:

......سوال نامہ......

سوال اول.....: آپ کے اندر ذوقِ مطالعہ کب نمایاں طور پر پیدا ہوا؟ آغاز کیسے ہوا؟ اس کی نشوونما کس طرح ہوئی؟ خاندانی نظامِ تربیت کا اثر کہاں تک ہوا؟

سوال دوم.....: کون سی شخصیتیں تھیں جنہوں نے آپ کے ذوق مطالعہ کو مہمیز کیا اور اس سفر میں آپ کی رہنمائی کی؟ آپ کے مطالعہ کے مختلف ادوار کیا رہے؟ پسندیدہ موضوعات، ذوق میں ارتقائی تبدیلیاں؟

سوال سوم .....: آپ کے پسندیدہ مصنفین؟ آپ کی پسندیدہ کتابیں؟ آپ کے پسندیدہ رسائل؟ پسندیدہ افسانہ نگار؟ کالم نگار؟ پسندیدہ مزاح نویس؟ طنز نگار؟

سوال چہارم .....: آپ اپنی دنیائے مطالعہ میں کس ایک مصنف کو بلند ترین مقام پر رکھتے ہیں جس کا آپ کی ذہنی نشوونما پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہو؟ (خصوصاً اردو لکھنے والوں میں سے؟)

سوال پنجم .....: عام طور پر مطالعہ کے اوقات کیا ہوتے ہیں؟ رفتار مطالعہ کیا ہوتی ہے؟ کیا دورانِ سفر بھی مطالعہ کرتے ہیں؟

سوال ششم .....: کیا دورانِ مطالعہ آپ کتاب پر نشان لگاتے ہیں یا الگ نوٹ کر لیتے ہیں؟ کبھی خلاصہ لکھنے کا شوق رہا؟

سوال ہفتم .....: نئے لکھاریوں اور قارئین کے لیے مطالعہ کے سلسلے میں کیا طریقہ کار ہونا چاہیے؟ کتابوں کے انتخاب میں رہنما اصول کیا ہوں؟ کسی کی رہنمائی میں مطالعہ کا مشورہ دیں گے یا اپنے ذوق کے اعتبار سے؟

....

اس سوالنامہ کے جوابات تحریر کرنے والوں میں مدارس کے ممتاز علماء بھی ہیں، ادیب و اہل قلم بھی ہیں، صحافی و کالم نگار بھی ہیں اور کالج و یونیورسٹی کے لکچرار اور پروفیسر حضرات بھی۔ اس فہرست میں ہندو پاک کے علاوہ عالم عرب کے بعض مشہور اہل علم بھی شامل ہیں۔

امید ہے التخیل کا یہ نمبر شائقین علم کے ساتھ ساتھ نئی نسل کیلئے علمی رہنما اور مطالعاتی رہبر ثابت ہوگا۔

اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

ابن الحسن عباسی

ذیقعدہ 1440

تعلیم وتربیت

آپ تدریس کیسے کریں؟

مدیر کے قلم سے

نظام تعلیم میں تدریس اور طریقۂ تعلیم کی جو اہمیت وافادیت ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں، دینی مدارس میں تدریس کا اسلوب اور طریقۂ کار کیا ہے؟ ذیل میں اولاً اس کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے بعد تدریس کے لئے بنیادی اصول ومبادی کی وضاحت کی جائے گی۔

تدریس کے مروّجہ طریقے: تدریس اور کتب پڑھانے کے مختلف طریقے رائج ہیں اور ہر استاذ اپنے اپنے ذوق اور مزاج کے مطابق ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرتا ہے، چند اسلوب یہ ہیں:

(ا)......: استاذ شاگرد کو کتاب کا ایک خاص حصہ مطالعہ کرنے اور سمجھنے کے لئے دیتا ہے، طالب علم اس حصے اور بحث کا مطالعہ اور اسے حل کرنے کی اپنی سی کوشش کرتا ہے اور اگلے دن آ کر استاذ کو وہ سبق سناتا ہے، استاذ کا کام صرف اس کے سبق کی تصحیح یا تصدیق کرنا ہوتا ہے یعنی اگر اس سے حل سبق میں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو اس کی اصلاح کر دیتا ہے اور اگر وہ صحیح سمجھا ہے تو اس کی صحت کی تصدیق کر لیتا ہے۔

تعلیم کا یہ طریقہ بڑا مفید ہے، اس میں چوں کہ زیادہ بوجھ اور حل سبق کا زیادہ کام طالب علم کے ذمہ ہوتا ہے اس لئے بہت جلد کتاب سمجھنے کی صلاحیت اور فن سے مناسبت اس میں پیدا ہو جاتی ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اکثر کتابیں اسی انداز سے پڑھی ہیں، اس میں یہ بھی ضروری نہیں کہ ساری کتاب ختم کی جائے بلکہ جب دیکھا جائے کہ طالب علم میں کتاب حل کرنے کی پوری پوری استعداد پیدا ہوگئی ہے تو فن کی دوسری کتاب اسے شروع کرا دی جائے، البتہ تعلیم کا یہ طریقہ بالکل ابتدائی طلبہ کے لئے مفید نہیں، درمیانے درجے کی کتابوں میں یہ طریقہ اختیار کیا جا سکتا

ہے۔ ان مدارس میں جہاں طلبہ کی تعداد زیادہ ہو، ظاہر ہے کہ وہاں یہ طریقہ نہیں چل سکتا، یہ صرف وہاں جاری ہوسکتا ہے جہاں طلبہ کی تعداد بہت کم ہو، آج دیہات وغیرہ کے جن مدارس میں فی درجہ تین چار طلبہ ہوتے ہیں، وہاں یہ طریقۂ تعلیم اختیار کیا جاسکتا ہے۔

(۲)......: تدریس کا ایک عمومی طریقہ یہ ہے کہ استاذ کے سامنے طالب علم کتاب میں متعلقہ سبق کی پوری عبارت پڑھتا ہے، استاذ اولاً، اس عبارت میں بیان کردہ مضمون کی تشریح اور اس پر زبانی تقریر کرتا ہے، اس تشریح میں بسا اوقات وہ سبق کا تجزیہ بھی کرتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے، آج کے سبق میں چار بحثیں ہیں: پہلی بحث، دوسری بحث، تیسری بحث، چوتھی بحث...... پھر متعلقہ عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے اپنی تشریح اور تقریر کو اس پر منطبق کرلیتا ہے۔ یہ ایک کامیاب طریقۂ تدریس ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ استاذ کی تشریحی تقریر اور زبانی تجزیہ یا بیان کردہ خلاصہ متعلقہ عبارت کے مطابق ہو اور ترجمہ کرتے ہوئے استاذ اپنی تشریحی تقریر کا عبارت کے ساتھ انطباق اس انداز سے کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو کہ طالب علم کے سامنے عبارت اور نفس مسئلہ دونوں اچھی طرح واضح ہوکر آجائیں، اگر استاذ کی ہوائی تقریر کا کتاب کی عبارت کے ساتھ جوڑ نہ ہو تو ایسی صورت میں طلبہ کا ذہن الجھ جاتا ہے اور تدریس کے حوالے سے ایسے استاذ کا کوئی اچھا اثر اور فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔

(۳)......: ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ طالب علم سارے سبق کی عبارت نہیں پڑھتا، بلکہ ایک بحث یا ایک مسئلہ کی عبارت پڑھتا ہے، استاذ اس کی تشریح کرنے کے بعد عبارت کا ترجمہ کرتا ہے، پھر وہ اگلی بحث سے متعلق عبارت پڑھتا ہے، استاذ اس کی تشریح اور ترجمہ کرتا ہے، اس طرح سبق پورا ہونے کے بعد استاذ ساری عبارت کا عربی پڑھے بغیر صرف ترجمہ دہرادیتا ہے، اس طریقے میں طالب علم کی عبارت ہی سے سبق کا تجزیہ ہوجاتا ہے، یہ طریقہ بھی تقریباً پہلے طریقے سے ملتا جلتا ہے، سوائے اس کے کہ اس میں طالب علم ساری عبارت ایک ساتھ اور استاذ سارے سبق کی تشریح اور خلاصہ ابتدا میں ایک ساتھ بیان نہیں کرتا، بلکہ عبارت اور تشریح حصہ وار چلتی ہیں۔ یہ بھی ایک عمدہ طریقۂ تدریس ہے اور خاص کر فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں کی تعلیم میں بہت مفید ہے۔

(۴)......: ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ طالب علم کے عبارت پڑھنے کے بعد استاذ زبانی تشریح یا خلاصہ بیان نہیں کرتا، بلکہ وہ عبارت کا ترجمہ اور تشریح ساتھ ساتھ کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور پورا درس اسی انداز میں انتہاء تک پہنچ جاتا ہے، ادب کی کتابوں کی تدریس میں عموماً یہی طریقہ رائج ہے لیکن ادب کے علاوہ دوسرے فنون کی کتابوں میں یہ طریقۂ تدریس کوئی زیادہ مقبول نہیں۔

درس کی کیفیت کے اعتبار سے بعض اساتذہ کا مزاج اور طریقہ، ابتدائے سال میں لمبی تقریر اور خوب سے خوب تر تشریح اور تفصیل کرنے کا ہوتا ہے، اِدھر جوں جوں سال گزرنے لگتا ہے، اُدھر ان کی تقریر میں بھی اختصار آنے لگتا ہے، ابتدا میں اطناب اور آخر میں ایجاز کے اس طریقۂ تدریس کے پس منظر میں یہ تعلیمی فلسفہ کارفرما ہے کہ شروع میں کتاب اور فن سے مناسبت پیدا ہونے اور مصنف کا اسلوب اور مزاج سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے، استاذ کے تفصیلی دروس سے رفتہ رفتہ طالب علم میں فن اور کتاب سے مناسبت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے، اس لئے آخر میں وقت کی تنگی کی وجہ سے اختصار اختیار کرنا کوئی ایسا مضر نہیں۔ لیکن اس کے برعکس بعض اساتذہ کا طریقہ تدریس شروع سے آخر تک یکساں رہتا ہے، ان کے ہاں نہ ابتدا میں لمبی چوڑی تفصیلات ہوتی ہیں اور نہ ہی آخر میں اغلاق و ایجاز ہوتا ہے، بلکہ کتاب میں موجود ضروری اور اہم مباحث کی بقدر ضرورت تشریح و تفصیل سال کی ابتدا اور آخر میں یکساں جاری رہتی ہے اور یہی دوسرا طریقہ زیادہ مفید اور مقبول سمجھا جاتا ہے۔

دورۂ حدیث کی کتابوں کی تدریس میں عموماً ذکر کردہ پہلا طریقہ رائج ہے کہ ابتدا میں تفصیلی مباحث اور طویل تقریریں ہوتی ہیں اور آخر میں یہ تشریح یا بالکل ختم ہو جاتی ہے، صرف عبارت کا ”سرد“ ہوتا ہے اور یا بہت مختصر ہو جاتی ہے، صحاح ستہ میں مکرر احادیث کی وجہ سے آخر سال میں تشریح کو مختصر کر دینا یا صرف احادیث کی تلاوت پر اکتفا کر دینا کوئی نقصان دہ نہیں، البتہ دورۂ حدیث کے اسباق میں اگر فنی مباحث کو اساتذہ حدیث کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو زیادہ مفید رہے گا، چنانچہ بعض مدارس میں تقسیم مباحث کے فارمولے پر عمل کیا جاتا ہے، مثلاً کتاب الایمان اور کتاب البیوع کی تفصیلی فقہی اور حدیثی بحثوں کو صحیح مسلم شریف کے حصہ تدریس میں رکھ دیا جائے اور صرف مسلم

شریف پڑھانے والا استاذ ان پر تفصیلی کلام کرے، کتاب الطہارۃ، صلاۃ، زکاۃ کو ترمذی شریف کے درس کے لئے مختص کیا جائے اور ترمذی کا استاذ ہی ان پر تفصیلی بحث کرے، اس طرح تمام اہم مباحث کی اس تقسیم کا یہ فائدہ ہوگا کہ طلبہ اس تکرار اور یکساں مباحث کے اعادے سے بچ سکیں گے جو دورۂ حدیث کے اسباق میں عموماً ہوتا ہے، صحاح ستہ کی ابتدا میں چوں کہ اکثر کتاب الایمان، طہارۃ، صلاۃ، زکاۃ وغیرہ ہیں، اس لئے ہر استاذ ان پر تفصیلی محدثانہ کلام کرتا ہے جس کی وجہ سے ابتدا میں تو کیساں مباحث کا تکرار ہوجاتا ہے اور ان کتب کے آخری حصوں میں ابواب میں سال آخر ہونے کی وجہ سے صرف سردِ عبارت پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ اساتذہ حدیث کے درمیان تقسیم مباحث سے اس تکرار کا ازالہ کر کے احادیث پر تشریحی کلام میں یکسانیت قائم کی جاسکتی ہے۔

تدریس کے چار بنیادی اصول: یہ تو ان طریقوں اور اسالیب کا ذکر تھا جو درس نظامی کی کتابوں کی تدریس میں عام طور سے رائج ہیں، اب ذیل میں ان چار بنیادی اصول کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے بغیر اچھی تدریس اور عمدہ طریقۂ تعلیم کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ذکر کردہ طریقہ ہائے تدریس میں جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے جب تک ان چار بنیادی اصول کے ستون فراہم نہیں ہوں گے، عمدہ تدریس کی عمارت کھڑی نہیں ہوسکے گی، وہ چار اصول یہ ہیں:

(۱)...... **مضمونِ درس اور نفس سبق پر قدرت:** جو سبق آپ نے پڑھانا ہے، ضروری ہے کہ پہلے آپ خود اسے اچھی طرح سمجھے ہوں، اس کے لئے ضروری معلومات آپ کے پاس ہوں، اس کے متعلق جو شبہات اور سوالات ایک طالب علم کے ذہن میں آسکتے ہیں، ان کی اور ان کے حل اور جوابات کی تفصیل آپ کے ذہن میں ہو اور ظاہر ہے یہ چیز اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب آدمی نے متعلقہ سبق کے لئے بھرپور مطالعہ اور تیاری کی ہو، مطالعہ کو مختلف تدریجی مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور ہر آدمی اپنے ذوق اور وقت کے اعتبار سے ان میں طوالت اور اختصار سے کام لے سکتا ہے لیکن اس قدر تیاری ہر استاذ کے لئے لازمی ہے کہ اولاً نفس عبارت کا حل ہو، درس نظامی کی کتابیں اکثر مغلق اور پیچیدہ ہیں، ان کی عبارتوں کو حل کرنے اور سمجھنے میں کافی محنت کی ضرورت ہوتی ہے، نفس سبق کے حل میں عبارت کا درست تلفظ، اعرابی حالت کی درستگی، مشکل الفاظ کے معانی، عبارت کا مفہوم اور

مقصد کو سمجھنا داخل ہے، بسا اوقات کوئی لفظ محذوف ہوتا ہے، یا عبارت کسی شبہے کا جواب ہوتی ہے، کسی خاص بات سے احتراز کے لئے کوئی قید بڑھادی جاتی ہے، حل عبارت میں ان تمام متعلقہ چیزوں سے واقف ہونا ضروری ہے، عموماً بین السطور اور حواشی نے حل عبارت سے متعلق ان تمام یا اکثر باتوں کی وضاحت کی ہوتی ہے، ثانیاً حل عبارت کے ساتھ مضمون درس سے بھی واقفیت اور اُس فن میں ضروری مطالعہ ہونا چاہیے۔

(۲)......تعبیر: اچھی تدریس کی دوسری بنیاد ''تعبیر اور اظہار مافی الضمیر'' پر قدرت ہے، یعنی جس سبق کا آپ نے مطالعہ کیا ہے، تیاری کی ہے، آپ خوبصورت اسلوب اور دلنشین انداز میں وہ طلبہ کے سامنے بیان کرسکیں، صحیح، واضح اور دلنشین تعبیر اور اندازِ بیان کے بغیر عمدہ تدریس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ایک مدرس اور استاذ وسیع مطالعہ رکھتا ہے، سبق کے مضمون اور متعلقہ بحثوں پر عبور اور گہری نظر رکھتا ہے، لیکن اپنے مافی الضمیر کے اظہار اور طلبہ کے سامنے اپنے مطالعہ کا نچوڑ پیش کرنے کے لیے اس کے پاس لفظوں کی مناسب زبان نہیں، ایسے استاذ کے سبق اور علم سے طلبہ زیادہ استفادہ نہیں کرسکتے اور وہ ایک اچھا مدرس نہیں کہلاسکتا۔

وہ فضلاء جو نئے نئے فارغ ہوکر میدان تدریس میں آتے ہیں، ماشاء اللہ ان کے جذبات تازہ، خون گرم اور شوق جوان ہوتا ہے، زیر تدریس کتاب کے لئے اکثر وہ خوب مطالعہ کرتے ہیں، لیکن عموماً تعبیر اور اسلوب بیان کی طرف توجہ نہیں دیتے، ایسے حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر وہ تعبیر میں کمزور ہیں تو بجائے اس کے کہ ایک کتاب کے لئے پانچ چھ شروح کا مطالعہ کرنے اور غیر متعلقہ مباحث کو ذہن میں محفوظ کرنے کی مشقت برداشت کریں، وہ تدریس کے لئے اپنی تعبیر کی درستگی اور اظہار مافی الضمیر کی عمدہ صلاحیت حاصل کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائیں۔ ''اظہار مافی الضمیر کی صلاحیت'' سے مراد، وہ خطیبانہ صلاحیت نہیں ہے جو وعظ وارشاد، جلسوں اور جمعہ کے خطبوں میں کام آتی ہے، وہ ایک مختلف چیز ہے اور اس کے اصول اور تقاضے بھی الگ ہیں، بلکہ اس سے مراد وہ مدرسانہ صلاحیت ہے جس کا اظہار مسند درس پر بیٹھ کر ہوتا ہے یعنی جس سبق کی آپ نے رات کو تیاری

کی ہے، اس کو عام فہم اسلوب، آسان الفاظ اور دلنشین انداز میں طلبہ کے سامنے آپ میں بیان کرنے کی ایسی صلاحیت ہو کہ درس میں وہ سبق بھی طلبہ کی سمجھ میں آجائے اور اسلوب کی شیرینی اور کلام کی مٹھاس سے بھی سامعین محفوظ ہوں، تعبیر کی حلاوت وشیرینی مشکل اور طویل سبق میں بھی انہیں اکتانے اور بور ہونے نہ دے۔

اس طرح کی عمدہ تعبیر پر قدرت پانا کوئی ایسا آسان نہیں کہ وہ مشق وریاض کے بغیر حاصل ہوجائے گی بلکہ اگر کہا جائے کہ سبق سمجھنے اور اس کے لئے متعلقہ امور کی تیاری سے یہ کام زیادہ مشکل ہے تو مبالغہ نہیں ہوگا، چنانچہ اس کے لئے ٹھیک طرح کی ریاض اور محنت کی ضرورت ہے، اس مشق اور محنت کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جو سبق آپ نے اگلے دن پڑھانا ہے، آپ پہلے تنہائی میں اسے اس تصور کے ساتھ دہرائیں کہ آپ درس گاہ میں طلبہ کے سامنے بیٹھ کر پڑھا رہے ہیں، تنہائی کے اس تجرباتی عمل میں آپ ایک مفہوم کی مختلف تعبیرات میں ترجمانی کی مشق کریں، اس مشق میں آپ کے سامنے ایک مفہوم کے لئے مختلف تعبیرات آئیں گی، آپ کا ذہن متنوع اسالیب اور اظہار کی متعدد شکلیں بنائے گا جس سے رفتہ رفتہ سبق پڑھانے کی عمدہ تعبیر کی صلاحیت اور مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکیوں میں سمجھانے کا ملکہ آپ میں ان شاء اللہ پیدا ہوجائے گا اور کچھ عرصہ کے بعد پھر تنہائی کی اس تجرباتی تدریس کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

اس اصول کی طرف اہتمام کے ساتھ توجہ اس لئے مبذول کرائی گئی ہے کہ بعض نو واردان بساط تدریس، علمی دھاک بٹھانے یا آتش شوق بجھانے کے لئے رات رات بھر مطالعہ کرتے ہیں، نوادرات حفظ کرتے ہیں، نکات یاد کرتے ہیں، لیکن اگلے دن درس میں اس مطالعہ، ان نوادرات اور ان نکات کو طلبہ کے سامنے بیان کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی مناسب ترجمان نہیں ہوتا، ٹوٹی پھوٹی تعبیر میں اگر رات بھر کی محنت کو لفظوں کی زبان مل بھی گئی تو طلبہ پر اس کا اثر اس مہمان کے تاثر سے زیادہ مختلف نہیں ہوتا جس کی خدمت میں عسل مصفی ٹوٹے جام یا میلے پیالے میں پیش کیا گیا ہو۔

(۳)......نظم وترتیب: عمدہ تدریس کے لئے تیسرا بنیادی اصول "نظم وترتیب" ہے، یعنی آپ

نے درس کے لئے جو مطالعہ کیا ہے اور سبق کے متعلق جو کچھ آپ طلبہ کے سامنے کہنا چاہتے ہیں، ضروری ہے کہ اس میں آپ نے ذہنی خاکہ بنا کر ایک ترتیب اور نظم قائم کرلیا ہو کہ کون سی بات کہاں کہنی ہے اور کون سی بحث کس بحث سے پہلے یا بعد میں کرنی ہے، اگر آپ کو نفس درس اور اس کے اظہار دونوں پر تو عبور ہے لیکن اس میں بے ترتیبی کا نقص موجود ہے تو آپ کا سبق طلبہ کو ذہن نشین نہیں ہو سکے گا، پہلے سے ذہن میں نظم وترتیب قائم نہ کرنے کی وجہ سے اکثر ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ درس میں مطالعہ کی ہوئی مختلف باتوں کا ذہن پر یکدم ہجوم ہونے سے آدمی تشویش کا شکار ہو جاتا ہے، جو بات آخر میں کہنے کی ہوتی ہے، وہ اول میں کہہ دی جاتی ہے اور جو اول میں کہنے کی تھی، وہ سرے سے یاد ہی نہیں رہتی، یا وہاں کہنا پڑتی ہے جہاں اس کا موقع نہیں ہوتا، بدنظمی اور بے ترتیبی کا شاخسانہ اسی طرح ہوتا ہے، اس لئے عمدہ تدریس کے لئے ذہن میں عمدہ نظم اور ترتیب بہر حال ضروری ہے۔

(۴)......**طلبہ کے معیار و مستویٰ کی رعایت:** تدریس میں طلبہ کے معیار اور مستوی کا خیال رکھنا بھی ایک ضروری امر ہے، ابتدائی طلبہ کے لئے سبق میں آسان اسلوب، عام فہم الفاظ اور علمی اصطلاحات کی بجائے عمومی زبان اختیار کرنی چاہیے، ایک بات کو بار بار دہرانا بھی ان کے لئے مفید ہوتا ہے، جب کہ اگلے درجوں میں علمی زبان اور فنی اصطلاحات کو بے تکلف استعمال کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی مدرس نحو میر کے طلبہ کے سامنے شرح جامی کی تحقیقات بیان کرنا شروع کردے یا شرح جامی کے طلبہ کی خدمت میں اسم کی تعریف بار بار دہرانے اور سمجھانے پر زور صرف کرنے لگ جائے، ظاہر ہے کہ اس کی یہ محنت نہ صرف یہ کہ بے فائدہ ہے بلکہ مضر ہے، اس کے لئے بھی اور طلبہ کے لئے بھی، اسی طرح درجہ سابعہ اور دورۂ حدیث کے منتہی طلبہ کے سامنے اگر آپ ''قال'' اور ''حدثنا'' کا ترجمہ بار بار دہرائیں گے، یقیناً یہ آپ ایک ایسے عمل کا ارتکاب کریں گے جس کا نہ کوئی فائدہ مرتب ہوگا، نہ کوئی خوشگوار اثر، یہاں ایک لطیفہ یاد آ گیا جو علامہ دینوری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''عیون الاخبار'' میں لکھا ہے کہ مشہور عالم ابن سماک تقریر کر رہے تھے، ان کی باندی گھر بیٹھی سن رہی تھی، وہ تقریر سے فارغ ہو کر گھر آئے اور باندی سے پوچھا ''میری تقریر کیسی رہی؟'' اس نے جواب دیا ''تقریر تو بہت

اچھی تھی مگر ایک بات کو بار بار دہرانا پسند نہیں آیا'' ابن سماک نے کہا ''میں بار بار اس لئے دہرا رہا تھا، تا کہ جو نہیں سمجھا وہ سمجھ جائے'' باندی نے کہا ''جب تک نہ سمجھنے والوں کو آپ سمجھاتے رہے، اس وقت تک سمجھنے والے اکتاتے رہے''۔ بہرحال طلبہ کی علمی صلاحیت، ان کے درجے کے معیار اور مستوی کو درس میں پیش نظر رکھنا عمدہ تدریس کا ایک بنیادی اصول ہے اور اس اصول کی رعایت ایک مدرس کو ضرور رکھنی چاہیے۔

آخر میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ریکارڈ میں محفوظ اکابر علما کے مرتکب کردہ ضوابط میں سے وہ ضابطہ نقل کیا جاتا ہے جو طریقۂ تدریس وتعلیم سے متعلق ہے، اس میں ہے:

> ''عام طور پر مدرسین ابتداء سال میں لمبی لمبی تقریریں کیا کرتے ہیں اور نفسِ کتاب کی عبارت حل کرنے اور اصل مسائلِ فن طلبہ کو ذہن نشین کرانے کے بجائے نہ صرف حواشی وشروح کے مفید مضامین، بلکہ لایعنی قیل وقال کی الجھنوں میں طلبہ کے ذہنوں کو ماؤف کر دیتے ہیں، اگر کوئی طالب علم کچھ بولتا ہے تو الزامی جوابات دے کر اسے خاموش کر دیتے ہیں اور اسی کو اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی مہینوں میں کتاب کے چند ورق سے زیادہ نہیں ہوتے اور آخر میں جب سال ختم ہونے لگتا ہے تو ایسی تیز رفتاری اختیار کرتے ہیں کہ کتاب کی بس تلاوت ہی باقی رہ جاتی ہے، اس لئے کہ اگر ایسا نہ کریں تو کتاب ختم نہ ہو، اگر شہرۂ آفاق صاحب فن استاد ہوتے ہیں تو وہ دادِ تحقیق دینے اور فن کا حق ادا کرنے کے سامنے کتاب ختم کرانے کی پرواہ ہی نہیں کرتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کتاب کے اہم ترین مسائل ومباحث اس بے اعتدالی کی بنا پر بے پڑھے رہ جاتے ہیں جو بسا اوقات فن کی دوسری کتابوں میں یا آتے ہی نہیں یا اس تفصیل کے ساتھ نہیں آتے جیسے زیر درس کتاب میں ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسا نقص ہے کہ اگر اس کا ازالہ نہ کیا جائے تو تعلیم کا ادھورا اور طلبہ کی استعداد کا ناقص رہ جانا یقینی ہے۔ اصولاً مدرس کا اصلی مطمحِ نظر ہر کتاب کو پڑھاتے وقت، نہایت سادہ اور سہل انداز میں حلِ عبارت اور تفہیم معانی و مطالب ہونا چاہیے، اگر فن کی ابتدائی کتاب ہے تو صرف مبادی ومسائل فن کو ذہن نشین کرانے پر اکتفا کرنا چاہیے، اور اگر اوسط درجے کی کتاب ہے تو بقدرِ ضرورت دلائل وبراہین سے مسائل فن کا اثبات وتفہیم پیشِ نظر ہونا چاہیے، اور اگر فن کی آخری درسی کتاب

ہے تو نہ صرف دلائل و براہین کے بیان پر اکتفا کیا جائے بلکہ نہایت سلجھے ہوئے انداز میں مسئلۂ زیر درس سے متعلق ضروری مباحث وتحقیقات کو بھی ضرور بیان کرنا چاہیے۔ ہر کتاب کی خصوصیات پر متنبہ کرنا بھی ازبس ضروری ہے۔ بہرصورت طول لا طائل اور خارج از کتاب مباحث سے اجتناب ضروری ہے۔ تدریجی طور پر فن اور مسائل فن سے آگاہ کرنا مفید ہوتا ہے۔ نیز ہر شریک درس طالب علم کی حالت سے واقف ہونا بھی مدرس کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ کس حد تک سبق کو سمجھ رہا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً ہر طالب علم سے ایسے سوالات کرے جن سے سبق کے سمجھنے کا حل معلوم ہو سکے۔ اسی طرح بلا تعیین مختلف طلبہ سے سوالات کرے تا کہ ہر ہر طالب علم کتاب کو سمجھنے، سبق کو یاد کرنے اور مطالعہ کرنے پر مجبور ہو۔ عموماً مدرسین، جماعت کے ذہین طلبہ کو پیش نظر رکھ کر درس دیتے ہیں۔ ان ہی سے سوالات کرتے ہیں، یہ طریقہ سخت مضر ہے، اس سے کمزور طلبہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور استفادہ سے محروم رہ جاتے ہیں، بلکہ وہ خود کو بالکل ہی مرفوع القلم سمجھ لیتے ہیں اور پھر سننے اور سمجھنے کی جانب توجہ ہی نہیں کرتے اور کورے کے کورے رہ جاتے ہیں، اس لئے مدرس کا فرض ہے کہ وہ اپنے معیار علم کے مطابق درس نہ دے بلکہ طلبہ کے ذہنوں کی سطح پر اتر کر درس دے اور ''اقتدبأضعفهم'' کے اصول پر عمل کرے تا کہ تعلیم کا فرض ادا کر سکے۔''

روحانی اور معنوی تاثیر: تدریس میں معنوی اور روحانی تاثیر کے لئے یہاں دو چھوٹے چھوٹے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے ایک مرتبہ کسی نے نصاب تعلیم میں تبدیلی کے متعلق سوال کیا، انہوں نے جواب میں فرمایا:

''جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ تو بالکل قابل اطمینان ہے، یہ وہی نصاب ہے جس سے بڑے بڑے اکابر علماء تیار ہوئے، البتہ طریقہ تعلیم تھوڑا سا بدل گیا...... وہ یہ کہ قدیم زمانے کے حضراتِ اساتذہ ایجاز واختصار کے ساتھ نفس مطلب عبارت پر منطبق کر کے دلوں میں ایسا ڈال دیتے تھے کہ کتاب ذہن نشین ہو جاتی تھی، اب لوگ اس کو حیلہ بنا کے اپنی معلومات پیش کرتے ہیں، جو کچھ رات کو دیکھا، صبح کو بیان کر دیا، وہ نقل اور

سر در وایت ہوتا ہے اور وہ جو قلبی کیفیت ہے، وہ شامل نہیں ہوتی''

عالم عرب کے مشہور مفکر علامہ یوسف قرضاوی اس موضوع پر اپنے ایک حالیہ مضمون میں لکھتے ہیں:

''کئی مدارس و جامعات میں آپ بہتر نصاب تو ضرور پائیں گے لیکن اچھا استاذ آپ کو نہیں ملے گا، اگر کوئی علمی نقطۂ نظر سے بہتر بھی ہو، تاہم ایمانی قوت کے لحاظ سے وہ مردہ دل ہوگا، یہاں قطر میں ہمارا اپنا مشاہدہ ہے کہ ہم نے اسلامی علوم میں موضوع کے لحاظ سے بڑی عمدہ کتابیں لکھیں لیکن ان کتابوں کو ایسا استاذ میسر نہیں آیا جو انہیں تر و تازگی کے ساتھ زندہ جاوید طلبہ تک منتقل کر سکے، بلکہ مردہ دل اساتذہ نے زندہ موضوعات کو مردہ بنادیا اور جمود سے اس کی حرارت پر افسردگی طاری کر دی''۔

(قيمة الأمة الاسلامية، ص: 47)

اس لیے یہ بات ملحوظ رہے کہ تدریس کے ذکر کردہ یہ طریقے، یہ اصول اور یہ مبادی ایک طرف، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن ان طریقوں سے آپ صرف خشک بحث، نرا مضمون اور صرف فنی موضوع طلبہ تک منتقل کر سکتے ہیں جو ایک مدرس کا بہر حال فرض منصبی ہے لیکن علم کی اصل روح، علم کی نورانیت اور علم کی وجد آفرین تاثیر منتقل کرنے کے لئے صرف ان اصولوں کی رعایت کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے دل کے اس درد، جگر کے اس سوز اور ایمان کی اس کیفیت سے متصف ہونا ضروری ہے جو ایمانی زندگی اختیار کرنے کے بعد اللہ جل شانہ کی توفیق سے انسان کو حاصل ہوتی ہے، عمل صالح کی خوش بو سے معطر ایمان والی زندگی، جس میں دعا و ابتہال ہو، رجوع الی اللہ ہو، ندامت کے اشکوں سے روح وقلب کی کثافتوں کی تطہیر کا اہتمام ہو، جس کے اپنانے کے بعد دل کی مردگی وافسردگی، نشاط و تازگی میں بدلے گی، اور دل کی سرد انگیٹھی میں حرارت آئے گی...... ایمان کی حرارت، اخلاص کی حرارت، شوق و جذبے کی حرارت، جگر کے سوز و گداز اور روح کی سیمابی کی حرارت، پھر جو بات زبان سے نکلے گی، وہ جا کے دل پر لگے گی اور طلبہ کی زندگیوں میں خوش گوار دینی انقلاب کا ذریعہ بنے گی، اللہ جل شانہ ہمیں اس طرح کی ایمانی زندگی نصیب فرمائیں، ہمارا مرنا اور جینا، پڑھنا اور پڑھانا صرف اسی کی رضا کے لئے ہو، صرف اسی کے لئے ہو۔ (آمین)

وصلى الله على النبي الأمي وعلى آله وصحبه أجمعين

کتابیں ہیں چمن اپنا

الأشباہ والنظائر

مفتی محمد ساجد میمن
ناظمِ تعلیم جامعہ تراث الاسلام

[**کتابیں ہیں چمن اپنا**......اس عنوان کے تحت ہر ماہ اسلامی علوم کے بنیادی مصادر ومراجع میں سے کسی ایک اہم کتاب کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ادارہ]

مصنف کا اسم گرامی علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد بن محمد بن محمد بن بکر ہے۔''ابن نجیم'' سے معروف ہیں۔ ۹۲۶ھ کو قاہرہ شہر میں آپ کی ولادت ہوئی۔

اساتذہ :......آپ نے اپنے زمانہ کے نابغہ روزگار حضرات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے اور علوم وفنون میں مرتبہ کمال کو پہنچے۔فقہ میں شیخ امین الدین بن عبد العال حنفی، شیخ ابی الفیض سلمی، شیخ شرف الدین بلقینی، شیخ الاسلام احمد بن یونس، ابن شلبی، علوم عربیہ میں علامہ نور الدین دیلمی، علامہ شقیر مغربی سے استفادہ کیا۔آپ سے ایک جم غفیر نے استفادہ کیا، جن میں سے چند یہ ہیں: آپ کے بھائی علامہ عمر بن نجیم صاحب النھر الفائق، علامہ غزی تمرتاشی، شیخ محمد العلمی سبط ابن ابی شریف شامی ،عبد الغفار مفتی القدس۔......اس راہ میں آپ نے عارف باللہ شیخ سلیمان خضیری کی خدمت میں رہ کر تربیت حاصل کی اور بلند مقامات پر فائز ہوئے۔......شیخ عبد الوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

> ''میں دس سال آپ کی صحبت میں رہا اس پورے عرصہ میں آپ سے کوئی خلافِ شرع کام سرزد ہوتے نہیں دیکھا، نیز فرماتے ہیں کہ ۹۵۳ھ میں، مَیں نے آپ کے ساتھ حج کیا میں نے آپ کا غلاموں اور پڑوسیوں کے ساتھ بہترین خلق دیکھا جبکہ سفر میں انسان کے اخلاق بدل جاتے ہیں''۔

فقہ سے خصوصی مناسبت :......فقہ سے آپ کو خصوصی مناسبت تھی، آپ نے فقہ حنفی کی درس وتدریس،

تصنیف وتالیف اوراس کی ترویج کواپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔آپ خوداپنے بارے میں لکھتے ہیں:

”۔۔۔ لإن الفقه أول فنوني طال ما سهرت فيه عيوني، وأعملت بدني إعمال الجد ما بين بصري ويدي وظنوني، ولم أزل منذ زمن الطلب أعتني بكتبه قديمًا و حديثًا ، وأسعى في تحصيل ما هجر منها سعيًا حثيثًا إلى أن وقفت منها على الجم الغفير، وأحطت بغالب الموجود في بلدنا القاهرة مطالعة وتأملًا بحيث لم يفتني منها إلّا النزر اليسير“۔(۱)

یعنی ”فقہ وہ پہلا فن ہے جس کو سیکھنے کے لیے میں نے راتوں کی نیند قربان کی اوراس فن کو سیکھنے کے لیے میں نے اپنی آنکھوں ، ہاتھوں اور اپنی سوچ وفکر کو استعمال کیا اور زمانہ طالب علمی سے ہی مجھے فقہ میں لکھی گئی قدیم وجدید ہر قسم کی کتاب پسند تھی اور میں ہمہ وقت اُن کتابوں کے حصول کی فکر میں لگا رہتا تھا جو میری نظر سے نہیں گذری تھی ، یہاں تک کہ تلاش بسیار کے بعد کئی ساری کتابوں پر واقف ہوا جو نایاب ہوگئی تھیں ،اور ہمارے شہر قاہرہ میں جتنی کتب فقہ موجود تھیں ،تقریباًان تمام کتب کا میں نے گہرائی سے مطالعہ کیا اور اُن موجودہ کتابوں میں سے کوئی بھی کتاب میری نظروں سے اوجھل نہ رہ سکی سوائے چند ایک کے......“

تاریخ وفات :......صحیح قول کے مطابق ۸ رجب ۹۷۰ھ کو ۴۴ سال کی عمر میں وفات پائی اور سیدہ سکینہ کے مزار کے قریب دفن کیے گئے۔

الاشباہ والنظائر کے معنی:......

’الأشباہ‘‘جمع ہے ”شِبْه“ اور ”شَبَهٌ“ کی بمعنی مثل اورشبیہ اور ”النظائر “جمع ہے ”نظِرة“ کی بمعنی مثل اورشبہ۔گویا اہل لغت کے نزدیک یہ دونوں الفاظ ہم معنی ہیں اور ان کا ایک دوسرے پر عطف،عطف ترادف کے قبیل سے ہے۔(۴)......علامہ حمویؒ نے ”الاشباہ والنظائر“ کی اصطلاحی تعریف یہ ذکر کی ہے:

”المسائل التي تشبه بعضها بعضًا مع اختلافها في الحكم لأمور

خفیۃأدرکہا الفقہاء بدقۃأنظارہم"۔(۵)

یعنی ''وہ مسائل جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوں اور ان کے حکم میں اتنا باریک فرق ہو جسے صرف دقیق النظر فقہاء ہی سمجھ سکیں۔''

علامہ سیوطیؒ ''مثل ،شبیہ اور نظیر'' کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إن المماثلة تقتضي المساواة من كل وجه ، والمشابهة تقتضي الاشتراک في أكثر الوجوه لا كلها، والمناظرة تكفي في بعض الوجوه ولو وجهًا واحدًا"۔(۶)

یعنی ''مماثلت'' مکمل مساوات کا تقاضہ کرتی ہے، اور ''مشابہت'' اکثر وجوہات میں شرکت کا تقاضہ کرتی ہے، جبکہ ''مناظرۃ'' کم ازکم ایک وجہ میں شرکت کا تقاضہ کرتی ہے۔''

زیر تعارف کتاب:......اس وقت ہمارے زیر تعارف علامہ ابن نجیم حنفی کی تالیف ''الاشباہ والنظائر'' ہے، یہ علامہ ابن نجیم کی آخری تصنیف ہے۔مؤلفؒ نے اس کتاب کو چھ ماہ کی مختصر مدت میں لکھا ہے۔کتاب کے مقدمہ میں مصنف رقم طراز ہیں:

فارجو من كرم الفتاح أن هذا الكتاب إذا تم بحول الله وقوته، يصير نزهة للناظرين ، ومرجعا للمدرسين ، و مطلبا للمحققين ، و معتمدا للقضاة والمفتين، وغنية للمحصلين، وكشفا لكروب الملهوفين۔

یعنی ''مجھے اللہ تعالیٰ کے کرم سے اُمید ہے کہ جب یہ کتاب، اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد سے پوری ہوجائے گی تو ناظرین کے لیے باصرہ نواز، مدرسین کا مرجع، محققین کا مطلوب ،قاضیوں اور مفتیوں کا معتمد علیہ، محصلین کے لیے غنیمت اور پریشانوں کی بے چینیوں کا مداوا ہوگی''۔

سبب تالیف:......کتاب کا سبب تالیف ذکر کرتے ہوئے مؤلفؒ لکھتے ہیں:

"وإن المشايخ الكرام قد ألّفوا لنا ما بين مختصر و مطوّل من متون و شروح و فتاوى، واجتهدوا في المذهب والفتوى، وحرّروا و نقحوا

شکر الله سعيهم، إلّا أني لم أر لهم كتاباً يحكي كتاب الشيخ تاج الدين السبكي الشافعي مشتملاً على فنون في الفقه، وقد كنتُ لمّا وصلتُ في شرح الكنز إلى تبييض باب البيع الفاسد، ألّفتُ كتابًا مختصرًا في الضوابط والاستثناء ات منها، سميته بـ "الفوائد الزينية في الفقه الحنفية" وصل إلى خمسمائة ضابطة۔ فألهمت أن أضع كتابا على النمط السابق مشتملًا على سبعة فنون يكون هذا المؤلَّف النوع الثاني منها۔۔۔"(۷)

یعنی "ہمارے فقہاء اور مشائخ نے نہایت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ مختلف انداز میں چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں، جن میں متون، شروحات اور فتاویٰ شامل ہیں، لیکن میری نظر سے فقہ حنفی کی کوئی ایسی کتاب نہیں گزری جو شیخ تاج الدین سبکی شافعی کی کتاب جیسی ہو جو فقہی فنون پر مشتمل ہے...... جب میں اپنی کتاب "البحر الرائق" کے باب البیع الفاسد تک پہنچا تو ضوابط اور قواعد فقہیہ میں ایک مختصر کتاب بنام "الفوائد الزینیہ فی فقہ الحنفیہ" لکھی، جس میں پانچ سو قواعد وضوابط جمع کیے...... پھر میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ فوائد زینیہ کی طرز پر ایک اور کتاب لکھی جائے جو سات فنون پر مشتمل ہو، چنانچہ زیر نظر کتاب اسی کا نقش ثانی ہے......"

کتاب میں ذکر کردہ سات فنون:...... یہ کتاب سات فنون پر مشتمل ہے، ذیل میں ان سات فنون کا مختصر تذکرہ وتعارف پیش ہے: الفن الأول في القواعد . . . یہ دو انواع پر مشتمل ہے: النوع الأول: القواعد الكلية، اس میں کل چھ قواعد ہیں۔ النوع الثاني: في قواعد كلية يتخرج عليها ما لا ينحصر من الصور الجزئية۔۔۔ اس کے تحت کل ۱۹ قواعد ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک قاعدہ مختلف قواعد پر مشتمل ہے۔

الفن الثاني في الفوائد:...... اس فن کے تحت مصنفؒ نے کتب فقہ کی طرز پر ہر باب کے مسائل کے فوائد ذکر کئے ہیں۔

الفن الثالث في الجمع والفرق:...... اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ملتے جلتے مسائل احکام کے

اعتبار سے کہاں متحد اور کہاں مختلف ہیں۔ مؤلف اس فن کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’اس فن کے اندر ایسے احکام بیان کیے ہیں جو کثیر الوقوع ہیں، جن سے بے خبر رہنا ایک عالم اور مفتی کے لائق نہیں‘‘۔

اس کے آخر میں ایک خاتمہ ہے، جو بعض اہم قواعد اور فوائد پر مشتمل ہے۔

وضاحت:...... یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس فن ثالث کی تکمیل خود علامہ ابن نجیمؒ نے نہیں کی، بل کہ آپ کے بھائی شیخ عمر ابن نجیم صاحب النہر الفائق نے اس کو مکمل کیا ہے۔

الفن الرابع: الألغاز۔ ألغاز جمع ہے ’’لغز‘‘ کی بمعنی پہیلی۔ اس باب میں مؤلف نے فقہی مسائل کو پہیلی کے طرز پر بیان کیا ہے۔

الفن الخامس: الحیل۔ حیل جمع ہے حیلة کی، اس کے معنی ہیں تدبیر، یعنی فقہی احکام میں ایسی تدبیر اختیار کرنا کہ مبتلیٰ بہ اس امر سے نکل جائے۔

الفن السادس: الفروق، اسی کا نام ’’الاشباہ والنظائر‘‘ ہے۔ اس باب میں مؤلف نے احکام فقہیہ اور ان کے درمیان فرق کو نہایت ہی بسط و شرح کے ساتھ واضح کیا ہے۔ مؤلف نے اس کے لئے امام کرابیسیؒ کی ’’تلقیح المحبوبی‘‘ سے استفادہ کیا ہے۔ اسی فن کی طرف نسبت کرتے ہوئے مؤلف نے اپنی کتاب کا نام ’’الاشباہ والنظائر‘‘ رکھا ہے۔

الفن السابع: فن الحکایات۔ اس حصہ میں امام اعظم اور دوسرے فقہائے احناف کے خاص خاص واقعات، مکالمات اور مکاتیب جمع کیے گئے ہیں۔

الاشباہ والنظائر اہلِ علم کی نظر میں:...... ’’الاشباہ والنظائر‘‘ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبولیت عام سے نوازا ہے، اپنے وقت تالیف سے آج تک ہر دور میں یہ کتاب علماء وفقہاء کا مرجع رہی ہے اور ہر دور اور زمانے کے فقہاء نے اس سے استفادہ کیا ہے، ذیل میں چند علماء وفقہاء کی آراء پیش ہیں:

(۱)...... صاحب ’’الطبقات السنیہ‘‘ لکھتے ہیں:

’’... وهو كتاب رُزِق السعادة التامة بالقبول عند الخاص والعام، ضمّنه كثيرًا من القواعد الفقهية والمسائل الدقيقة والأجوبة

الجليلة، والذي يغلب على الظن أنه لا يخلوا منه خزانة أحد قدر على تحصيله من العلماء في الديار الرومية۔۔۔"(۸)

''ایک ایسی کتاب ہے جس میں کثیر تعداد میں قواعد فقہیہ اور مسائل دقیقہ ذکر کیے گئے ہیں، اسے عوام وخواص میں مقبولیت حاصل ہے، اور میرا غالب گمان ہے کہ روم کے کسی بھی عالم کی لائبریری اس کتاب سے خالی نہیں ہوگی''۔

(۲)......علامہ شرف غزی کتاب کی مدح کرتے ہوئے ''تنویر البصائر'' میں فرماتے ہیں:

"۔۔۔من أفخر الكتب تصنيفًا، وأحسنها أسلوبًا ظريفًا، وأرشقها في العبارات، وأدقها في الإشارات، وهو في بابه عديم النظر، جامع من الفقه الجم الغفير۔۔۔"(۹)

''تمام تصانیف میں سب سے بہترین، اسلوب کے اعتبار سے سب سے جدا، اس کی عبارت خوش نما، اس کے اشارات دقیق، اپنے فن میں بے مثال کتاب، فقہ کے بے شمار مسائل کا احاطہ کیے ہوئے......''

(۳)......علامہ حمویؒ اپنی شرح میں رقم طراز ہیں:

"فإن كتاب الأشباه والنظائر لأفضل المتأخرين مولانا زين الدين ابن نجيم الحنفي كتاب لم تكتحل عين الزمان له بثاني، ولم يوجد في كتب الحنفية ماله يوازي أو يداني، فهو مع صغر حجمه، ووجازة نظمه بحر محيط بدرر الحقائق، وكنز أودع فيه نقود الدقائق۔فما قاضٍ إلّا ويرجع إليه في قضاءه، ولا مفتٍ إلّا ويعول عليه في إفتاءه"(۱۰)

''الاشباہ والنظائر ایک ایسی کتاب ہے کہ زمانہ نے اس جیسی کتاب دیکھی نہیں اور کتب حنفیہ میں اس کے مثل کوئی دوسری کتاب نہیں، اگرچہ یہ کتاب حجم کے لحاظ سے چھوٹی ہے مگر اپنے اندر علوم کا سمندر سموئے ہوئے ہے......کوئی بھی قاضی یا مفتی اس کتاب سے مستغنی نہیں ہوسکتا......''

(۴)......علامہ تاج الدین سبکی شافعی فرماتے ہیں: ’’أنه لم یر للحنفیة مثله‘‘۔(۱۱)

(۵)......حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ لکھتے ہیں: ’’اس کتاب کا بنظر غائر مطالعہ انسان میں تفقہ پیدا کرنے میں بہت معاون ہوتا ہے‘‘۔(۱۲)

(۶)......حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

’’مصنفؒ (ابن نجیم) نے فقہ کے جزئیات ومسائل کو جس انداز سے اُصول وقواعد کے رشتہ میں منسلک کر دیا ہے، اس پر ’’دریا بہ کوزہ‘‘ کی مثل صادق آتی ہے اور نہ صرف فقہ حنفی میں، بلکہ مذاہب اربعہ کے ذخیرۂ تالیف میں بھی اس کی نظیر نہیں‘‘۔(۱۳)

الاشباہ والنظائر سے فتویٰ دینے کی ممانعت:......علامہ شامی نے ’’الاشباہ والنظائر‘‘ کو ان کتب میں ذکر کیا ہے جن سے فتویٰ دینا جائز نہیں، فرماتے ہیں:

’’۔۔۔أقول: و ینبغي إلحاق ’’الأشباه و النظائر‘‘ بها، فإن فیها من الإیجاز في التعبیر ما لا یفهم معناه إلّا بعد الاطلاع علی مأخذه، بل فیها مواضع کثیرة الإیجاز المخل، یظهر ذلک لمن مارس مطالعتها مع الحواشي، فلا یأمن المفتي من الوقوع في الغلط إذا اقتصر علیه، فلا بد له من مراجعتها ما کتب من الحواشي أو غیرها۔۔۔‘‘

’’......مناسب یہ ہے کہ الاشباہ والنظائر کو بھی ان کتب میں شمار کیا جائے جن سے فتویٰ دینا جائز نہیں، اس لیے کہ عبارت میں مؤلف بکثرت ایجاز واختصار سے کام لیتے ہیں جس کی بنا پر اصل سے مراجعت کے بغیر عبارت کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے، لہٰذا اگر مفتی صرف اسی پر اکتفاء کرے تو غلطی واقع ہونے کا اندیشہ ہے‘‘۔ (۱۴)

الاشباہ والنظائر کے ماخذ ومصادر:......علامہ ابن نجیمؒ نے اس کتاب کی تالیف میں جن کتب سے مدد لی ہے، ان کی تعداد 70 کے قریب ہے، جو اس کتاب کی اہمیت کے لئے کافی دلیل ہے۔ ان کتب میں متون، شروح فتاویٰ ہر قسم کی کتب شامل ہیں۔مؤلفؒ فرماتے ہیں:

’’۔۔۔و هأنذا أذکر الکتب التي نقلتُ منها مؤلفاتي الفقهیة التي اجتمعت عندي في أواخر سنه ثمانین و ستین و تسعمائة، فمن

شروح الھدایۃ: اس کے بعد مؤلف نے ان کتب کا تذکرہ کیا ہے۔(۱۵)

الاشباہ والنظائر کے شروح وحواشی

''الاشباہ والنظائر'' اپنے وقت تالیف سے آج تک علماء محققین کا مرجع رہی ہے اور ہر دور کے علماء و فضلاء نے اس کتاب پر مختلف جہتوں سے کام کیا ہے، جن میں شروحات، حواشی اور تعلیقات مختلف انداز سے کام ہوا ہے، ذیل میں ''الاشباہ والنظائر'' کی چند شروح کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱)... التحقیق الباھر: محمد ھبۃ اللّٰہ بن محمد بن یحییٰ بن عبد الرحمٰن (المتوفی ۱۲۲۴ھ)

یہ''الاشباہ والنظائر'' کی ایک جامع اور مکمل شرح ہے، شارح نے الاشباہ کے تمام مباحث کا احاطہ کیا ہے، ہر اصول کے تحت جزئیات، فوائد اور امثلہ کثیر مقدار میں پیش کیے ہیں۔ علامہ شامی نے ''شرح عقود رسم المفتی'' میں اس شرح سے استفادہ کیا ہے۔

(۲)... تنویر الأذھان والضمائر۔لمولی مصلح الدین مصطفٰی بن خیر الدین الرومي المعروف بحلب۔(متوفی ۱۰۲۵ھ)

یہ کتاب ''الاشباہ والنظائر'' کے صرف فن ثانی کی شرح ہے۔شارح کا انداز ایجاز واختصار کا ہے، فقہائے احناف کے اختلاف مختصراً دلائل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

(۳)... تنویر البصائر علی الأشباہ والنظائر: شرف الدین عبد القادر بن برکات الغزي الحنفي المعروف بابن جیب (المتوفی ۱۰۰۵ھ) یہ شرح ابتداء سے فن سادس (فن فروق) کے اختتام تک ہے۔

شارح کا انداز یہ ہے کہ قواعد کے تحت مختلف فقہی جزئیات پیش کرتے ہیں، ماتن سے جہاں کہیں تسامح ہوا ہے اس کی وضاحت کرتے ہیں، فقہائے احناف کے مابین اختلاف کو واضح کرتے ہیں اور مفتیٰ بہ قول کی تعیین بھی کرتے ہیں۔

(۴)... زواھر الجواھر: صالح بن محمد بن عبد اللّٰہ الخطیب تمرتاشي الغزي (المتوفی ۱۰۵۵ھ)

(۵)... عمدة ذوي البصائر بحل مبهمات الأشباه والنظائر: إبراهيم بن حسين بن أحمد بن بيري (المتوفی ۱۰۹۹ھ) یہ شرح ابتداء سے فن ثالث (الجمع والفروق) تک ہے۔علامہ شامی نے ''شرح عقود رسم المفتی'' میں اس سے کافی عبارتیں نقل کی ہیں۔

(۶)... عمدة النظائر على الأشباه والنظائر: محمد بن أبو سعود بن سيد على الحسيني۔ (المتوفی ۱۱۷۲ھ) یہ شرح ابتداء سے فن ثانی کے اختتام تک ہے۔

(۷)... غمز عيون البصائر على الأشباه والنظائر المعروف بشرح الحموي: شيخ أحمد بن محمد مكي الحموي (المتوفی ۱۰۹۸ھ)

(۸)... نزهة النواظر على الأشباه النظائر: الشيخ خير الدين الرملي

ہماری دانست اور معلومات کے مطابق ''الأشباه والنظائر'' کی مذکورہ بالا شروحات میں سے اس وقت سوائے دو کے باقی سب مخطوطات کی صورت میں ہیں، دو کتابیں جو مطبوعہ صورت میں موجود ہیں، ان میں ایک ''شرح الحموی'' ہے اور دوسرا علامہ شامی کا حاشیہ ''نزهة النواظر'' ہے۔

الاشباہ والنظائر کا پیش نظر ایڈیشن:......اس وقت ہمارے سامنے الاشباہ کے دو نسخے ہیں:

پہلا نسخہ:......قدیمی کتب خانہ، کراچی کا شائع کردہ ہے، جو ۴۴۰ صفحات کو محیط ہے۔کتاب کے شروع میں ''عملي في الكتاب'' کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق شدہ ایڈیشن ہے، مگر تلاش کے باوجود ہمیں پوری کتاب میں محقق کا نام نہ ملا!! اس عنوان کے ذیل میں تحقیقی کام کی جو تفصیل لکھی ہے، وہ یہ ہے:

(۱)......امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا تعارف پیش کیا ہے۔(۲)......مؤلف کتاب علامہ ابن نجیم کا تعارف وتذکرہ پیش کیا ہے۔(۳)......دار الکتب العلمیہ کے مطبوعہ نسخہ اور دیگر چار نسخوں کو سامنے رکھ کر تحقیق کا عمل سر انجام دیا ہے۔(۴)......قرآنی آیات کے حوالے اور احادیث مبارکہ کی تخریج کی ہے۔(۵)......متن حدیث پر اعراب لگانے کا اہتمام کیا ہے۔(۶)......نادر الوقوع الفاظ وکلمات کے لغوی معنی میں بیان کیے ہیں، اور اس میں بھی کوشش کی ہے کہ ایسے معنی بیان کیے جائیں جن کا سمجھنا آسان ہو۔

دوسرا نسخہ: ......شیخ زکریا عمیرات کی تحقیق وحواشی کے ساتھ مکتبہ الحرمین الشریفین، کوئٹہ کا شائع کردہ ہے جو کل **۳۹۰** صفحات پر مشتمل ہے۔ محقق نے نسخوں کی مراجعت کے علاوہ قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی تخریج کی ہے۔ مشکل اور مغلق الفاظ کی تحقیق بھی کرتے ہیں، اور جہاں کہیں مؤلف سے تسامح ہوا ہے اس کی وضاحت اور نشاندہی بھی کرتے ہیں۔

حوالہ جات

(۱)(الأشباه والنظائر، مقدمة: ص ۲۱، قديمی کتب خانه کراچی)

(۲)(الفوائد البهية: ص ۱۳۴، قديمی کتب خانه کراچی۔ الأعلام: ۳/۶۴، دار العلم للملايين ، معجم المؤلفين: ۴/۱۹۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت، هدية العارفين: ۱/۳۷۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت۔ حدائق الحنفية: ص ۴۳۶)

(۴)(شرح الحموی: ۱/۵۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

(۵)(الحاوي في الفتاویٰ: ۲/۳۲۸، دار الفكر، بيروت)

(۷)(الأشباه والنظائر، مقدمة، ص ۲۱)

(۸)(الأشباه والنظائر مع حاشية نزهة النواظر، ص۷، لآلي المحار في تخريج مصادر رد المحتار، التعرف بكتاب الاشباه والنظائر لابن نجيم، رقم: ۳۰)

(۹) حواله سابق

(۱۰)(شرح الحموي: ۱/۲۶)

(۱۱)(شرح عقود رسم المفتي: ص ۲۶۲، دار الكتاب، كراچی)

(۱۲)(تبصرے: ص ۳۱۸)

(۱۳) نقد ونظر: (۱/۳۱۰)

(۱۴)(حاشية ابن عابدين: ۱/۱۶۸، دار المعرفة، بيروت)

(۱۵)(دیکھیے: الاشباه والنظائر، ص ۲۲، قديمی کتب خانه، کراچی)

(۱۶)(الأشباه والنظائر مع حاشية نزهة النواظر، ص ۱۰)

(۱۷)(حدائق الحنفية، ص ۵۲۶، شرح عقود، ص ۵۲۵، شرح الحموي: ۱/۲۱)

آدابِ معاشرت

خلاء کے آداب

محمد بشارت نواز
معاون مدیر النخیل

اسلام ایک جامع نظامِ حیات ہے جس نے زندگی کے ہر گوشے میں انسانیت کی مکمل رہنمائی کی ہے اور اس میں خالص بندے کی خیر خواہی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ طہارت و پاکیزگی اور صفائی ستھرائی انسانی فطرت ہے اور اس کا اثر نہ صرف جسمانی صحت بلکہ اخلاقی حالت اور فکر و خیال پر بھی پڑتا ہے جس کا اندازہ ان قوموں اور طبقوں کی پستی خیال اور فکری انحطاط سے کیا جاتا ہے جو گندی حالت میں رہنے، گندے کام کرنے کے خوگر ہیں، اسلام نے قدم قدم پر پاکی وصفائی کا حکم دیا ہے۔ پھر اسلام نے صرف صفائی ستھرائی کا حکم ہی نہ دیا بلکہ اس کے لئے ایک مکمل عملی نظام قائم کر دیا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور اسوۂ مبارکہ کے ذریعہ اس کو پوری طرح واضح اور بے غبار نیز سہل و آسان بھی فرما دیا۔ انہیں احکام میں سے ایک استنجاء اور قضاء حاجت ہے، آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں وہ ہدایات دیں جن میں صفائی ستھرائی کا لحاظ بھی ہے، شرم وحیا کا پاس و خیال بھی اور صحت و تندرستی کی رعایت بھی۔ ذیل میں قضاء حاجت اور استنجاء کے آداب کو ذکر کیا جا رہا ہے:

(1)....: قضاء حاجت کے لیے ایسی جگہ جانا چاہیے جہاں کوئی دیکھ نہ سکے۔ شرم وحیا کے باب میں عرب اس درجہ پست ہو چکے تھے کہ قضاء حاجت کے وقت ستر کو مضحکہ خیز تصور کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو ضروری قرار دیا اور فرمایا کہ اگر کچھ اور سامان ستر نہ ہو تو کم سے کم ریت کا ایک ڈھیر ہی بنا کر اس کی اوٹ میں بیٹھے کہ بے پردگی نہ ہو۔ نبی کریم ﷺ قضاء حاجت کے لیے بہت دور تشریف لے جاتے تھے۔

(2)....: بیت الخلاء جاتے ہوئے سر ڈھانک کر اور جوتا پہن کر جانا چاہیے۔

(3)....: بیت الخلاء میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھنا چاہیے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِکَ مِنَ الۡخُبُثِ وَ الۡخَبَائِثِ۔ (بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعا عند الخلاء)

ترجمہ: اے اللہ! میں خبیث مذکر مخلوقات سے اور خبیث مؤنث مخلوقات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔ دین اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ ان مواقع پر جہاں پر انسان ذکر کرتے ہوئے شرماتا ہے، وہاں کے لئے بھی حضور اقدس ﷺ نے کوئی نہ کوئی دعا اور کوئی نہ کوئی ذکر تلقین فرمایا ہے تاکہ اس موقع پر بھی انسان کا رابطہ اللہ جل شانہ کے ساتھ قائم رہے۔ اس کی حکمت نبی کریم ﷺ نے ایک اور حدیث میں ارشاد فرمائی کہ ''وہ مقامات جہاں انسان قضاء حاجت کے لئے جاتا ہے، وہ شیاطین کی آماجگاہ ہوتے ہیں کیونکہ شیاطین عام طور پر گندے اور ناپاک مقامات پر پائے جاتے ہیں اور چونکہ یہ خود خبیث مخلوق ہے، اس لئے گندی جگہ کو پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا جب تم ان گندے مقامات پر جاؤ تو اللہ کی پناہ میں آجاؤ کیونکہ وہ شیاطین بسا اوقات تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

(ابو داؤد، کتاب الطھارۃ، باب مایقول الرجل اذا دخل الخلاء)

(4)....: بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت کوئی ایسی شئی پاس ہو کہ جس میں اللہ تعالی کا ذکر ہو تو اس کو نکال کر باہر رکھ دینا مستحب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جب ضرورت کو جاتے تو اپنی انگوٹھی رکھ جاتے کیونکہ آپ ﷺ کو انگوٹھی میں ''محمد رسول اللہ'' کندہ تھا۔

(5)....: قضاء حاجت کے لیے داخل ہوتے وقت بایاں پاؤں پہلے اندر رکھے اور حاجت کے دوران گفتگو نہیں کرنی چاہیے، اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہوتے ہیں۔

(6)....: بیٹھتے ہوئے قریب ہو کر کپڑے اتارنے چاہیے اور کشادہ ہو کر بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھنا چاہیے۔

(7)....: پیشاب کرتے ہوئے چھینٹ وغیرہ سے بچنے کی حتی المقدور سعی کی جائے، اسی طرح ہوا کے رخ پر پیشاب نہ کیا جائے کہ اس میں بھی نجاست سے آلودگی کا اندیشہ ہے۔

(8)....: فراغت کے بعد جو کچھ گندگی ہو اس کو بہا دینا چاہیے۔

(9)…: باہر نکلتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں باہر رکھنا چاہیے اور پھر یہ دعا پڑھی جائے:

غُفْرَانَکَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ (ابن ماجه، کتاب الطھارة، باب مایقول اذا خرج من الخلاء)

یعنی اے اللہ! میں آپ سے مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں، اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھ سے گندگی کو دور کر دیا اور مجھے عافیت عطا فرمائی۔

بیت الخلاء کے متعلق ڈاکٹر عائض القرنی کے تحریر کردہ چند مفید آداب:

(1)…: بیت الخلاء کی نظافت، بیت الخلاء کو ہمیشہ صاف رکھیں، وہاں بدبو ہرگز نہ رہنے دیں۔

(2)…: سونے سے قبل بیت الخلاء کو ایک دفعہ صاف کریں۔

(3)…: بیت الخلاء کا دروازہ ہمیشہ بند رکھنے کی کوشش کریں۔

(4)…: بیت الخلاء میں کپڑے نہ لٹکائیں، اس لیے کہ اگر کپڑے رات بھر بیت الخلاء میں رہے تو اس میں شیطانی اثرات سرایت کر جاتے ہیں جو پھر آسانی سے زائل نہیں ہوتے جب تک کہ اسے بہتر گھنٹوں تک دھوپ میں رکھا جائے۔

(5)…: گندے کپڑے ہمیشہ بیت الخلاء سے باہر کسی ٹوکری وغیرہ میں رکھیں۔

(6)…: خواہ کوئی بھی وجہ ہو بیت الخلاء کے اندر ہرگز بات چیت نا کریں۔

ہر اس لڑکے یا لڑکی کے نام جو بیت الخلاء میں روتے ہیں:

عزیزم! آپ کا بیت الخلاء میں رونا شیاطین اور جنات کو اپنے جسم میں سرایت کرنے کی دعوت دینا ہے، یہی سبب بنتا ہے آپ کے رزق اور شادی وغیرہ میں تاخیر کا۔ زندگی قسم قسم کی مشکلات اور پریشانیوں سے بھر جاتی ہے، بلاوجہ غموں کا احساس گھیرے رہتا ہے، اور کئی دفعہ اسکی وجہ سے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔

☆……☆……☆

اقتصادومعیشت

ہمارے معاشرتی مسائل میں وقف وتکافل کا کردار

مفتی محمد اویس نعیم
استاذ تخصص جامعہ تراث الاسلام

جب ہم ایک اسلامی معاشی نظام کے خدو خال متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارے سامنے مدینہ منورہ کا وہ معاشرہ ہے جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں رکھی تھی کہ آبادی کا غالب حصہ بے سروسامانی کے عالم میں ہجرت کر کے پہنچا تھا اور دوسری جانب جو مقامی افراد تھے وہ بھی نسبتاً غریب تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس معاشرے کی وہ حالت بدلی کہ وہاں معاشی خوشحالی پیدا ہوئی، معاشرے میں کوئی معاشی مسئلہ نہ رہا۔ یہ کیسے ہوا؟ اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

وہاں مروجہ معاشی نظام کے تمام عناصر یعنی حکومت، صارفین اور پیداوار کنندگان......سبھی نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک عنصر وہاں اضافی بھی تھا۔ جو آج ہمارے معاشرے میں اس طرح متحرک نہیں جس طرح ہونا چاہیے، اسے ہم کہہ سکتے ہیں: ''وقف فی سبیل اللہ'' کا عنصر۔ یہ ایک ایسا عنصر ہے کہ اسے اگر متحرک کر دیا جائے تو ایک اسلامی معاشرے کے، معیشت کے حوالے سے بھی بہت سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ اگر ایک نظر ڈالی جائے تو ہمارے معاشرے میں وہ انتہائی غربت نہیں تو دیگر غیر مسلم معاشروں میں ہے۔ امیر وغریب کی لڑائی نہیں جو دیگر معاشروں میں ہے۔ اس کی وجہ، وقف فی سبیل اللہ کا کسی درجے میں زندہ رہنا ہے لیکن ہمیں ایک قدم آگے سوچنا ہو گا۔ ہم اب تک کیے جانے والے اقدام پر اکتفا کر کے نہ بیٹھ جائیں، بلکہ ہمیں تو پوری دنیا کو راہ نجات دینی ہے۔ جس کے لیے ہمیں اسلام کے دیے گئے وقف فی سبیل اللہ کے نظام کو اپنے

معاشرے میں بھی مزید متحرک کرنا ہوگا اور باقی دنیا پر بھی اس کی اہمیت اجاگر کرنی ہوگی۔ آیئے! کچھ بنیادی باتیں وقف فی سبیل اللہ سے متعلق سیکھتے ہیں۔

وقف کیا ہے؟: وقف کا مطلب ہے: ''اپنی ملکیت کسی نیک مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دینا تاکہ وہ ہمیشہ اسی مقصد میں استعمال ہوتی رہے۔''

اس تعریف سے وقف کی کچھ خصوصیات سمجھ میں آتی ہیں: (1)....: وقف جب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں چلا گیا تو مالک دوبارہ اسے اپنی ملکیت میں نہیں لاسکتا۔ (2)....: وقف کسی بھی نیک مقصد کے لیے کیا جاسکتا ہے۔ (3)....: وقف کے نتیجے میں مالک کا ثواب ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

ریاست مدینہ میں وقف کا استعمال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور میں وقف کی مختلف صورتیں رائج تھیں: (1).... خیراتی مقصد کے لیے: اس کی مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خیبر کے وہ باغات ہیں جو انہوں نے غریبوں کے لیے وقف کر دیئے تھے کہ ان کے پھل غریبوں، مسکینوں اور مستحقین میں تقسیم کر دیے جایا کریں گے۔ اسے نہ بیچا جاسکتا ہے، نہ ہدیہ کیا جاسکے گا اور نہ ان میں وراثت جاری ہوگی۔ (2).... عوامی فلاح و بہبود کے لیے: اس کی مثال ''بیر روحاء'' ہے جو کہ مدینہ میں میٹھے پانی کا کنواں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ (3).... خاندانی اوقاف: صحابہ کرام کے دور میں ایسے اوقاف بھی وجود میں آئے جن میں اپنی اولاد یا ان میں خاص قسم جیسے خاندان کی بیوہ، یتیم وغیرہ کے لیے بھی وقف کیے جانے لگے۔

خلافت اسلامیہ میں وقف سے استفادہ: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلم امہ نے وقف کے تصور کو استعمال کیا اور خلافت امویہ وعباسیہ اور پھر خلافت عثمانیہ میں بڑے بڑے ہسپتال، یونیورسٹیاں وقف کی بنیاد پر چلتی رہیں اور معاشرے پر اس کا گہرے اثرات پڑتے رہے۔

ہمارے مسائل: آج ہم جب مسلم معاشرے کی پریشانیوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معاشی لحاظ سے تین سمتوں میں ہی مسائل نظر آتے ہیں اور آج کی جدید معاشیات میں اسے بہت اہم تصور کیا

جاتا ہے: (1)....: روزگار (2)....: غربت کا خاتمہ (3)....: پیداواری صلاحیت میں اضافہ (4)....: تعلیم کا فروغ۔ہم اگر ان مسائل کو بجائے جدید معاشیات کے نظریات کے اپنی تاریخ سے ملنے والے سبق سے حل کرنے کی کوشش کریں تو شاید نہ صرف وہ ہمارے معاشرے کے لیے زیادہ قابل عمل ہوگا اور یقیناً اس کے نتائج بھی بہتر ہوں گے۔

مذکورہ تمام مسائل کا ممکنہ حل: وقف کی بنیاد پر تعلیمی اداروں کا قیام: جب پہلے وقتوں میں بڑی بڑی طبی (Medical) یونیورسٹیاں اور رصدگاہیں وقف کی بنیاد پر چل سکتی تھیں تو آج کیوں نہیں؟ ہمیں سوچنے کی ضرورت ہے کہ جس طرح الحمد للہ ہم دینی ادارے میں مدارس کی صورت میں چلا رہے ہیں، اسی طرح جدید عصری تقاضوں کی فہم پیدا کرنے اور معاشرے کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے تعلیمی ادارے بنائے جا سکتے ہیں۔

وقف نظام کے تحت چلنے والے دینی مدارس: جنوبی ایشیا میں آزاد دینی مدارس کا آغاز اس وقت ہوا جب 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد دہلی پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ختم ہوگئی اور اس کی جگہ تاج برطانیہ نے نظام حکومت سنبھال کر متحدہ ہندوستان کو اپنی باقاعدہ نوآبادی بنالیا۔ برطانوی حکومت نے متحدہ ہندوستان کے نظام کو تبدیل کرنے کے لیے جو اقدامات کیے ان میں پرانے نظام تعلیم کا خاتمہ بھی تھا۔ اس سے قبل متحدہ ہندوستان میں فارسی دفتری زبان تھی اور عدالتوں میں فتاوٰی عالمگیری کا قانون رائج تھا جو اورنگزیب عالمگیر کے دور حکومت میں سلطان مرحوم کی سربراہی میں ملک کے پانچ سو جید علماء کرام کی اجتماعی کاوشوں سے فقہ حنفی کی بنیاد پر ملک کے اجتماعی نظام کے طور پر مرتب ہوا تھا اور ملک میں بطور قانون نافذ کر دیا گیا تھا۔ دفتری زبان فارسی تھی جبکہ قانون کی زبان عربی تھی اور درس نظامی کا نصاب ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرتا تھا۔ اسی لیے مغل دور کے مدارس میں وہی نصاب رائج تھا اور مدارس کے اخراجات ریاستی وسائل سے پورے ہوتے تھے۔ مگر برطانوی حکومت نے دفتری زبان انگریزی قرار دے دی اور عدالتوں میں رائج اسلامی قوانین کو منسوخ کر کے برٹش لاء نافذ کر دیا۔ اس لیے ان دونوں حوالوں سے سابقہ تعلیمی نظام و نصاب کی افادیت ختم ہوگئی جو

کہ اس اقدام سے برٹش گورنمنٹ کا اصل مقصد تھا۔ چونکہ 1857ء اور اس سے قبل 1831ء کے معرکہ ہائے حریت میں علماء کرام ہی مسلح جدوجہد میں پیش پیش تھے اور آئندہ بھی انہی سے خطرہ تھا کہ جب بھی موقع ملا وہ انگریزی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اس لیے اس طبقہ کو مکمل طور پر کچلنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔ بہت سے علماء کرام معرکہ ہائے حریت میں کام آچکے تھے، ہزاروں کو گرفتار کر لیا گیا، ہزاروں کو بغاوت کے جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور بے شمار علماء کرام کو جلاوطن کر کے کالا پانی کے جزیرے میں نظر بند کر دیا گیا۔ ان اقدامات کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ دین کا علم رکھنے والے اور اسلامی اقدار وروایات کی حفاظت کرنے والے علماء کرام کی اس وقت موجود کھیپ کو ختم کر دیا جائے اور ان مراکز کو بھی بند کر دیا جائے جہاں سے یہ کھیپ تیار ہوتی ہے۔ چنانچہ مدارس کا نظام مکمل طور پر سبوتاژ کر دیا گیا اور ایک محتاط اندازے کے مطابق متحدہ ہندوستان میں مجموعی طور پر تیس ہزار کے لگ بھگ مدارس یکلخت بند ہو گئے۔

اس صورت حال میں باقی ماندہ علماء کرام نے اپنے اپنے علاقہ میں اپنے اپنے ذوق کے مطابق دینی تعلیم کو باقی رکھنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے جبکہ یوپی (اتر پردیش) کے علاقہ شاملی میں 1857ء کی جنگ میں حصہ لینے والے چند علماء کرام نے دیوبند کے قصبہ میں رضا کارانہ بنیاد پر عوامی چندہ کے ذریعہ ایک دینی درسگاہ مدرسہ عربیہ کے نام سے قائم کی جو آگے چل کر دارالعلوم دیوبند کے نام سے متعارف ہوئی۔ اس درسگاہ کی بنیاد رکھنے والوں میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حاجی عابد حسینؒ پیش پیش تھے اور ان کے ساتھ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا ذوالفقار علیؒ اور دیگر حضرات بھی معاون تھے جو عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے حلقۂ ارادت سے تعلق رکھتے تھے جو اپنے دور میں چشتی سلسلہ کے بڑے مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے شاملی کے محاذ پر انگریزوں کے خلاف جنگ میں علماء کرام کی قیادت کی تھی اور شاملی فتح ہونے کے بعد چند روز تک امیر المومنین کی حیثیت سے حکمران بھی رہے مگر انگریزوں کا اس علاقے پر دوبارہ قبضہ ہوجانے کے بعد ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور مقبرۃ المعلاۃ میں مدفون ہیں۔ مکہ مکرمہ کا مدرسہ صولتیہ قائم کرنے والے مولانا

رحمت اللہ کیرانویؒ بھی انہی حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خوشہ چینوں میں سے تھے، انہوں نے بھی 1857ء کی جنگ آزادی میں عملی طور پر حصہ لیا تھا اور بعد میں ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے اور حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی سرپرستی میں انہوں نے مدرسہ صولتیہ قائم کیا تھا۔

دیوبند مدرسہ کی بنیاد خالصتاً عوامی تعاون پر تھی اور اس کے بنیادی اصولوں میں، جو آج بھی تحریر کی صورت میں موجود ہیں، یہ بات مستقل طور پر طے کردی گئی تھی کہ اس کے لیے کسی مستقل آمدنی کا انتظام نہیں کیا جائے گا اور کسی حکومت یا نواب سے امداد نہیں لی جائے گی بلکہ عام مسلمانوں کے رضا کارانہ چندوں کے ذریعہ اس کا نظام چلایا جائے گا۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک دارالعلوم دیوبند اور اس سے عملی وفکری طور پر وابستہ اکثر و بیشتر مدارس کا نظام اسی اصول کے مطابق چل رہا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے مواقع پر متعدد حکومتوں نے امداد کی پیش کش کی مگر ان مدارس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دیوبند کے علاوہ اسی دور میں سہارنپور، مرادآباد اور ڈھاکہ میں بھی اسی طرز کے مدارس وجود میں آئے اور دیکھتے ہی دیکھتے جنوبی ایشیا کے طول وعرض میں ان مدارس کا جال بچھ گیا۔

ایک قومی اخبار کے مطابق ملک بھر میں دینی مدارس کی تعداد 25 ہزار سے تجاوز کر چکی ہے جس میں 20 لاکھ سے زائد طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں۔ ان رجسٹرڈ دینی مدارس میں بریلوی، دیوبند، اہل تشیع، اہل حدیث اور دیگر مکاتب فکر کے مدارس شامل ہیں۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ملک بھر میں مختلف مکاتب فکر کے رجسٹرڈ دینی مدارس کی تعداد 25 ہزار 659 تک پہنچ گئی ہے۔ ذرائع کے مطابق ان مدارس میں سے پنجاب میں 14 ہزار 871، سندھ میں 6 ہزار 749، خیبر پختونخواہ میں 1 ہزار 386، بلوچستان میں 2 ہزار 704، اسلام آباد میں 187 دینی مدارس ہیں، معلوم ہوا ہے کہ 2005ء میں ترمیمی آرڈیننس کے بعد 16 ہزار 177 دینی مدارس رجسٹرڈ کیے گئے تھے اس سے پہلے صرف 9 ہزار 482 مدارس رجسٹرڈ تھے ان مدارس میں منہاج القرآن کے دینی ادارے شامل نہیں ہیں۔ ذرائع کے مطابق غیر رجسٹرڈ مدارس بھی کم وبیش تین ہزار کے قریب ہیں۔ رجسٹرڈ دینی مدارس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے 18 ہزار مدارس ہیں مختلف مکاتب فکر کے دینی مدارس

میں 20لاکھ کے قریب طلباء وطالبات زیر تعلیم ہیں۔اس ضمن میں معلوم ہوا ہے کہ بریلوی، دیوبند، اہل تشیع اوراہل حدیث کے مدارس ملک میں طلباء وطالبات کواپنی مدد آپ کے تحت دینی اور جدید تعلیم دے رہے ہیں مدارس میں طلباء وطالبات کو رہائش،خوراک اور علاج معالجہ کی سہولیات،وقف مینجمنٹ کے تحت ہی فراہم کی جاتی ہیں۔

وقف کی بنیاد پر طبی اداروں کا قیام: اسی طرح اس رخ پر بھی محنت کی ضرورت ہے کہ ہم وقف کی بنیاد پر صحت کی سہولیات فراہم کریں،ہم بجائے حکومت کو طعن و تشنیع کریں،خود قدم بڑھائیں اور یہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ اس جیسی پہلے بھی مثالیں موجود ہیں،جیسے ''جامعہ ہمدرد پاکستان'' کراچی کی ایک تحقیقی جامعہ ہے،جس کی شاخیں کراچی اور اسلام آباد میں واقع ہیں۔جامعہ کی بنیاد معروف علم دوست شخصیت حکیم محمد سعیدؒ نے 1991ء میں رکھی۔جامعہ ہمدرد پہلی اور قدیم ترین غیر سرکاری جامعہ ہے جو اعلیٰ تعلیمی کمیشن سے منظور شدہ ہے۔کراچی میں،جامعہ ہمدرد سب سے بڑی غیر سرکاری تحقیقی جامعہ ہے اس کا کل رقبہ 350 ایکڑ پر مشتمل ہے۔جامعہ کا کتب خانہ بیت الحکمہ ،جنوبی ایشیاء کے بڑے کتب خانوں میں سے ایک ہے،اس وقت کتب خانے میں 5لاکھ سے زائد کتب ہیں،اس میں کئی کتب 1700ء سے پہلے کی بھی موجود ہیں۔اس جامعہ کا مکمل نظام وقف کے اصولوں کے مطابق ہی ترتیب دیا گیا ہے اور یہی اس جامعہ کی خصوصیت بھی ہے۔

وقف کی بنیاد پر ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹرز کا قیام: اپنے معاشرے میں ٹیکنیکل ٹریننگ سینٹرز کا قیام بھی وقف کے ذریعے عمل میں لایا جا سکتا ہے جس کے ذریعے نوجوانوں میں وہ ہنر فراہم کیے جائیں جن کی مارکیٹ میں ضرورت ہے۔ایسی درسگاہ سے بہرہ ور ہونے کے بعد یا تو وہ خود اپنا کام کر سکیں یا پھر مارکیٹ میں مناسب جاب تلاش کر سکیں۔

وقف کی بنیاد پر مالیاتی اداروں کا قیام: دورِ حاضر کی ضرورت کے مطابق بہت سے مالیاتی اداروں کی بنیاد وقف پر رکھی گئی ہے۔جس میں عمومی طور پر عوام الناس کے لئے بیش بہا فوائد ہیں۔مالیاتی اداروں کا صرف ایک وقف نظام جسے ''تکافل'' کہا جاتا ہے۔ذیل میں اس نظام کا مختصر طریقہ کار اور

چند فوائد ذکر کیے جاتے ہیں۔

تکافل کا مختصر تعارف: لغوی معنی: لفظ تکافل ''کفالۃ'' سے نکلا ہے، اور کفالت ضمانت اور دیکھ بھال کو کہتے ہیں، جب یہ بابِ تفاعل میں مستعمل ہوا تو اس میں شرکت کے معنی آ گئے، لہذا اب تکافل کے معنی ہوئے ''باہم ایک دوسرے کا ضامن بننا'' یا ''باہم ایک دوسرے کی دیکھ بھال کرنا۔''

اصطلاحی معنی: تکافل کا نظام روایتی انشورنس کا جائز اور حلال متبادل ہے، جو باہمی تعاون وتناصر اور تبرع کے اصول پر مبنی ہے، جہاں تمام شرکاء رسک کو شیئر کرتے ہیں، اور اس طرح باہمی تعاون و تناصر کے طریقہ سے شرکاء مقررہ اصول وضوابط کے تحت ممکنہ مالی اثرات سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

تکافل کا عام طریقہ کار: تکافل کے عام طریقہ کار سے مراد یہ ہے کہ قطعِ نظر اس سے کہ تکافل کی بنیاد (Basis) کیا ہے، شروع میں چند حصہ دار (Shareholders) مل کر ایک کمپنی بناتے ہیں، جسے ''تکافل کمپنی'' یا ''اسلامک انشورنس کمپنی'' کہا جائے گا، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(1)....: کمپنی پہلے ایک پول (وعاءِ تأمینی) بناتی ہے اور جو لوگ تکافل کی سہولت لینے کے خواہشمند ہیں، ان سے درخواست کرتی ہے کہ وہ قواعدِ مقررہ کے مطابق پول کیساتھ چندہ کی صورت میں تعاون کر کے اُس کے ممبر بن جائیں اور پول حسبِ قواعد ضرورت کے وقت ان کے مالی نقصانات کی تلافی (Cover) کریگا۔

(2)....: کمپنی مذکورہ پول (وعاءِ تأمینی) کی مالک نہیں ہوتی، بلکہ کمپنی اور مذکورہ پول کا وجود الگ الگ تصور کیا جاتا ہے، کمپنی کا کردار صرف اس پول کو چلانا اس کے اموال کو مختلف جائز کاروبار میں لگانا اور منافع وغیرہ کا حساب رکھنا ہوتا ہے۔ کمپنی کا کھاتہ اور اس پول کا کھاتہ بالکل الگ الگ ہوتا ہے۔ بعض کمپنیاں اپنی ان خدمات کے عوض میں پول سے معاوضہ (وکالۃ فیس) وصول کرتی ہیں اور بعض نہیں کرتیں اور جو کمپنیاں وکالۃ فیس وصول نہیں کرتیں وہ اس پول کے اموال میں جب بطورِ مضارب کام کرتی ہیں تو اپنے لئے مضاربۃ کے نفع کا تناسب نسبتاً زیادہ رکھتی ہیں۔

(3)....: پول کی آمدن ایک تو شرکاء تکافل (پالیسی حاصل کرنے والوں) کی طرف سے دی

ہوئی رقوم (عطیات) کی صورت میں ہوتی ہے، دوسری ان رقوم کو مختلف نفع بخش کاروبار میں لگانے سے حاصل شدہ نفع کی صورت میں ہوتی ہے۔

(4).....: کمپنی پول میں جمع شدہ رقم کو نفع بخش کاروبار میں لگاتی ہے، جس میں کمپنی کی حیثیت بعض صورتوں میں مضارب کی اور پول کی حیثیت ''ربّ المال'' کی ہوتی ہے، اور بعض صورتوں میں پول مؤکل اور کمپنی کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں وکالہ اور مضاربہ دونوں ہوتے ہیں۔

(5).....: کمپنی پول میں جمع شدہ اموال اوران کے منافع سے متضررین کو مالی نقصانات کی تلافی کی سہولت فراہم کرتی ہے، مالی نقصانات کی تلافی اور دیگر ضروری اخراجات کے نکالنے کے بعد جو کچھ سرمایہ بچ جاتا ہے، اُسے ''فائض'' یا ''قدرِ زائد'' کہاجاتا ہے۔ جسمیں کمپنی قانونی طور پر کسی ایک طرزِ عمل کی پابندنہیں ہوتی، بلکہ کمپنی کو اس میں مختلف قسم کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں کہ کچھ رقم کو خیراتی کاموں میں صرف کرے، کچھ رقم مختلف ریزروفنڈز میں ڈالے، کچھ شرکاء میں تقسیم کرے، اور کچھ رقم پول میں واپس ڈالے۔

(6).....: پول سے صرف اُن متضررین کیساتھ تعاون کیا جاتا ہے، جنہوں نے عطیات کی صورت میں پول کیساتھ تعاون کیا ہو۔ اس کے علاوہ ایسا کوئی متضرر جس نے پول کیساتھ تعاون نہ کیا ہو وہ پول سے تعاون حاصل کرنے کا استحقاق نہیں رکھتا۔

(7).....: شرکاء تکافل کیساتھ پول کے تعاون کی مقدار ایک جیسی نہیں ہوتی بلکہ ہر شریک کی طرف سے دیئے گئے تبرع کے تناسب سے تعاون کی مقدار مختلف ہوتی ہے جو پول کے قواعد وضوابط میں سے پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے یعنی تبرع کی ہر مقدار کے ساتھ تعاون کی مقدار پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے۔

تکافل کے وقف ماڈل کا بیان: مذکورہ بالا نظریاتی توضیحات کی روشنی میں وقف کی بنیاد پر تکافل کا ماڈل اس طرح بنے گا: (1).....: کمپنی کے شیئر ہولڈرز کچھ رقم باقاعدہ وقف کریں گے، اس رقم سے

ایک وقف پول قائم کیا جائے گا، یہ رقم وقف ہوگی، ان شیئر ہولڈرز کی حیثیت واقف کی ہوگی اور یہ رقم ہمیشہ فنڈ یا پول میں باقی رہے گی کیونکہ یہ اصل وقف ہے، اس کو(Ceding Amount) کہتے ہیں۔(2)....: یہ وقف پول اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہوگا، کوئی اور مالک نہیں ہوگا، یعنی نہ کمپنی مالک ہوگی، اور نہ کوئی اور، اس کا ایک مستقل معنوی وجود ہوگا جو کہ شخصِ حقیقی کی طرح مالک اور مملّک (مالک بنانے والا) بنے گا۔(3)....: جو لوگ تکافل کی سہولت حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ ایک خاص مقدار میں حسبِ شرائط وقف نامہ(Waqf Deed) فنڈ کو چندہ دیں گے، اس فنڈ کا نام PTF یعنی (Participant Takaful Fund) ہے۔(4)....: شرکاء جو چندہ(Contributions) دیں گے، وہ وقف نہیں ہوگا بلکہ مملوکِ وقف ہوگا لہذا اس کو وقف کے اغراض کیلئے خرچ کرنا جائز ہوگا۔(5)....: مذکورہ فنڈ کو شرعی طریقہ کے مطابق کاروبار میں لگایا جائے گا اور حاصل شدہ منافع کا مالک وقف فنڈ ہی ہوگا۔(6)....: فنڈ سے استفادہ(Utilized) کرنے کی شرائط طے کی جائیں گی۔(7)....: نیز ہر قسم کے تکافل میں چندہ کی تعین ہوگی اور فوائد(Benefits) کے استحقاق (Entitlement) کے قواعد مقرر کئے جائیں گے جس میں یہ بھی جائز ہے کہ فوائد کی تعیین ایکچوری کی بنیاد پر ہو۔(8)....: فنڈ سے شرکاء کو جو فوائد ملیں گے، وہ ان کے تبرعات کی بنیاد پر نہیں، بلکہ وہ "عطاءِ مستقل" ہونگے یعنی اس لحاظ سے کہ وہ بھی "موقوف علیھم" (موقوف علیہ اس شخص کو کہتے ہیں جس پر وقف کیا گیا ہو) میں داخل ہیں۔ یاد رہے کہ شرکاء یا ارکانِ فنڈ خود واقفین نہیں بلکہ واقف اصلاً شیئر ہولڈرز ہیں، جنہوں نے شروع میں ایک مخصوص رقم وقف کرکے وقف فنڈ قائم کیا ہے۔(9)....: وقف فنڈ چونکہ تمام رقوم خواہ اصل ہوں یا منافع ہوں، کا مالک ہے، اس لئے فنڈ کو اختیار ہے کہ وہ اس کو جس طرح خرچ کرنا چاہے خرچ کرے، سرپلس میں اس کو کئی طرح کے اختیارات حاصل ہونگے جو کہ وقف نامہ میں مذکور ہوتے ہیں۔(10)....: تحلیل (Binding Up) کی صورت میں تمام اخراجات ادا کرکے باقی ماندہ رقم کو کسی کارِ خیر میں لگایا جائے گا البتہ جو اصل وقف رقم تھی یعنی (Ceding Amount) وہ اس جیسے کسی اور وقف میں دی جائے

گی۔(11)....: کمپنی چونکہ فنڈ کو منظّم (Manage) کرے گی، شرکاء کے نقصانات کی تلافی کرے گی اور بہت سارے کام کرے گی، اس لئے وہ ان خدمات کے صلہ میں حق الخدمت لے سکتی ہے جسے ''وکالہ فیس'' کہتے ہیں، نیز کمپنی چونکہ ''مضارب'' بھی ہے، اس لئے وہ مضاربت کی بنیاد پر نفع میں سے اپنا مقررہ حصہ بھی لے سکتی ہے جسے ''مضاربہ شیئر'' کہتے ہیں۔

وقف کی بنیاد پر ٹرسٹ کا قیام: دورِ حاضر کی ضرورتوں کے مطابق وقف کی بنیادوں پر ٹرسٹ وغیرہ کا رواج بھی مقبولیت پا رہا ہے۔ اس سلسلے کی کئی مثالیں اور تطبیقات ہمارے معاشرے میں موجود ہیں۔ ایسے ٹرسٹ کے ذریعے علاج معالجہ کے لئے ہسپتال، تعلیمی ادارے، تنظیمی ادارے، اشاعتی ادارے، ویلفیئر سوسائٹیز، فلاحی ادارے اور تفریحی مقامات بھی بنائے جاتے ہیں۔ جو معاشرے میں اپنی اہمیت کے ساتھ ایک مقام رکھتے ہیں۔

خلاصہ بحث: اسلامی قوانین میں وقف ایک اہم اور بنیادی قانون ہے جو انسانی سماج کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہود کا ذریعہ ہے اور انسانی سماج زندگی کے مختلف مراحل میں ترقی بھی کرتا ہے، انسانی فلاح، مصیبت زدوں کی مدد سماج سے غربت کو دور کرنے کی کوشش نادار افراد کو روٹی پہنچانا، بیماروں کی تیمارداری، بیواؤں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کی کفالت و سرپرستی قوم کے بچوں کو تعلیم و ہنر سے آراستہ کرنا، مدارس و مکاتب، جامعات اور دیگر تکنیکی اور صنعتی تربیت گاہوں کا قیام، ہسپتالوں کا قیام اور اس جیسے سینکڑوں کام ہیں جن کو منظم طور پر انجام دیا جانا کسی بھی سماج کی فلاح کے لئے بنیادی ضرورتوں کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ سماجی ذرائع اور وسائل کی تشکیل کا سامان بھی فراہم کرتا ہے خواہ وہ وسائل مادی ہوں یا بشری۔ چنانچہ ہر اعتبار سے وقف کی املاک سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں، علاقوں اور مختلف مقاصد کے لئے حکومتوں نے مختلف بورڈ قائم کر رکھے ہیں مثلاً مرکزی وقف بورڈ اور ریاستی وقف بورڈ وغیرہ۔ اسی طرح ان کے الگ الگ وقف قوانین ہیں جن سے وقتی ضرورت کے مطابق فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ

مذہبی القابات اور ہماری بے اعتدالیاں

مفتی سید انور شاہ
جامعہ بیت السلام، کراچی

اسلام جہاں غلو، غلط بیانی اور بے جا مبالغہ سے منع کرتا ہے، وہیں ہر معاملے میں راہ اعتدال اپنانے کی تاکید کرتا ہے۔ یہی دین اسلام کی ایک بڑی خوبی ہے کہ اس نے اعتدال، توسط اور میانہ روی کی تلقین کی ہے اور ہمیں امت وسط بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اعتدال اپنانے والوں کو کبھی بھی گمراہی اور پچھتاوے کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو اعتدال کے دامن کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ یا تو افراط کا شکار ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں یا پھر تفریط کی کھائی میں جا گرتے ہیں۔ اسی طرح دین اسلام سادگی اور للّٰہیت کو بڑی اہمیت دیتا ہے، جبکہ نام نمود، دکھاوے اور نمائش کی مذمت کرتا ہے۔

آج کل ہمارے معاشرے میں مذہبی القاب کے استعمال کرنے میں جو بے اعتدالیاں پائی جا رہی ہیں وہ کسی پر اوجھل نہیں، نام کے آگے القابات پر القابات جڑ دیے جاتے ہیں۔ خواہ وہ شخص ان صفات کا حامل ہو یا نہ ہو، آئے روز نئے سے نئے اور بڑے سے بڑے القابات سامنے آتے ہیں۔ بعض اوقات تو جلسوں میں اور بعض دیگر مجالس میں امیروں، وزیروں، عہدیداروں، پیروں اور خصوصاً علماء کی تعریفوں میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے جاتے ہیں مثلاً: حجۃ الاسلام، شیخ الاسلام، شیخ الفقہ، مفتی اعظم، خطیب بے بدل، خطیب زماں، نمونہ اسلاف، محققِ دوراں، محقق العصر، علامۃ العصر، محدث العصر، فقیہ زماں، جامع علوم عقلیہ ونقلیہ، شیخ المشائخ، اعلیٰ حضرت، مفکرِ اسلام، غزالیؒ وقت، دورانِ غزالی، شہنشاہِ خطابت، محقق علی الاطلاق، محدث اعظم، ولی کامل، رہبر شریعت

قطبِ وقت، قطب الاقطاب، ثانی جنید وغیرہ وغیرہ۔

افسوس ناک بات یہ ہے کہ بعض حضرات تو باقاعدہ اپنے حلقہ احباب کو اس طرح بڑے بڑے القاب اپنے نام کے ساتھ لگانے کی تاکید کرتے ہیں اور القاب کے بغیر پکارے جانے پر بے التفاتی اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ علمائے کرام کی اکثر مجالس اس قسم کے القابات سے گونجتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مذہبی القابات کے متعلق یہی بے اعتدالیاں پمفلٹوں اور اشتہارات میں بھی واضح طور پر نظر آتی ہیں اور نہایت بے احتیاطی کے ساتھ شریعت کے تقاضوں کو فراموش کیا جارہا ہے۔

ایک طرف تو یہ معاملہ ہے جبکہ دوسری طرف کچھ حضرت ایسے بھی ہیں جو اپنے لئے ایسے القاب تجویز کرتے ہیں جس سے گناہ گاری ٹپکتی ہو جیسے: العبد العاصی، عاصی وغیرہ۔ حالانکہ یہ بھی درست نہیں، یہ ساری باتیں اور احکام سمجھنے کے ہیں۔ ان کے نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ افراط وتفریط اور متضاد پہلوؤں کا شکار ہیں۔ اس موضوع پر انتہائی عمدہ اور تفصیلی گفتگو علامہ ابن الحاج المالکی المصریؒ نے اپنی مشہور کتاب ''المدخل'' کی پہلی جلد ''فصل فی ذکر النعوت'' کے تحت فرمائی ہے۔ واضح رہے کہ علامہ ابن الحاجؒ کا شمار مسلک مالکیہ کے مشہور اور بڑے فقہا میں ہوتا ہے، ان کی وفات مصر کے مشہور شہر قاہرہ میں ۷۳۷ھ میں ہوئی۔ ''المدخل'' فقہ مالکیہ کی نہایت معتبر اور انفع کتاب ہے۔ وقد ذکرہ السیوطی علیہ الرحمۃ فی من کان بمصر من فقھاء المالکیۃ (حسن المحاضرۃ، السیوطی، ۱، ۳۸۲)

القابات کی ارتقاء کا پس منظر: علامہ ابن الحاج المالکی المصریؒ ان القاب کے رائج ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> کہ ان کی ترویج میں سب سے بڑا کردار عجمیوں کا رہا ہے، اور وہ اس طرح کہ جب ترک مسندِ خلافت پر غالب آگئے اور حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی تو انہوں نے اپنے لیے مختلف قسم کے القابات اختیار کر لیے جیسے: شمس الدولۃ، ناصر الدولۃ، نجم الدولۃ وغیرہ چونکہ ان القابات کا استعمال حکومت کے مناصب پر فائز بڑے بڑے عہدیداروں کے لئے ہوتا تھا، اس لیے لوگ ان القاب کو باعث عظمت وفخر سمجھنے لگے، اس وجہ سے عام لوگوں نے ان میں انتہائی دلچسپی ظاہر کی لیکن حکومت میں منصب اور عہدہ نہ ہونے کی بنا

پر ان کے لئے اپنے لئے ان القاب کا رکھنا ممکن نہیں تھا، چنانچہ جب انہوں نے اس کے حصول کے لئے کوئی راستہ نہیں پایا تو اب انہوں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مذہب کا راستہ اختیار کر لیا۔ نجم الدولۃ نہ سہی تو نجم الدین ہی سہی۔

اس زمانے میں ان القاب کی انتہائی اہمیت اور وقعت تھی اور بڑی باعث عظمت اور قابل فخر چیز تھی۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت نے ان ناموں اور القاب کے رکھنے پر سخت پابندی عائد کی تھی، لہٰذا جب کوئی اپنی اولاد کے لئے اس قسم کا لقب رکھنا چاہتا تو اسے حکومت کو ایک بھاری رقم ادا کرنی ہوتی اور حکومت سے باقاعدہ اجازت نامہ لینا ہوتا۔ یوں ہی لوگ حکومت کی مقرر کردہ بھاری رقم ادا کرتے تھے اور اپنی اولاد کے لئے اس قسم کے القاب تجویز کرتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد خلافت عباسیہ پر ترک نے مکمل طور پر قابض ہو کر ہر قسم کا کنٹرول اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

زمانہ گزرنے کے ساتھ ان القابات کی اہمیت باقی نہیں رہی کیونکہ اب حکومت ان کے لئے ایک قسم کی لونڈی بن چکی تھی، اس لئے وہ مذہبی القابات میں کشش محسوس کرتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان کے لئے نجم الدولۃ کے بجائے نجم الدین جیسے القاب زیادہ باعث عظمت وفخر بن گئے۔ اس دوران حکومت نے پابندی ختم کر کے عام لوگوں کو کھلی چھوٹ دے دی۔ یہ القابات اس قدر تیزی کے ساتھ رائج ہو گئے کہ کوئی بھی اس کی زد سے محفوظ نہیں رہا، امیر غریب، چھوٹا بڑا سب اس وبا کی زد میں آ گئے، یہ معاملہ اس سطح پر پہنچ گیا کہ علماء نے بھی اس سے مانوس ہو کر ان کے رکھنے میں کوئی برائی تک محسوس نہیں کی اور لوگوں سے متاثر ہو کر ان کو قبول کرنے لگے۔

(المدخل جلد ۱ ص ۱۱۰)

القابات کے اس ترویج کے متعلق علامہ ابن خلدون نے بھی مقدمہ تاریخ ابن خلدون میں اس کے قریب قریب گفتگو فرمائی ہے۔

مذہبی القابات کی شرعی حیثیت: قرآن کریم اور احادیث طیبہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے تزکیہ کا اعلان کرے یا اپنے لیے ایسے القاب اختیار کرے جس میں پاکیزگی اور تقدس کا پہلو پایا جاتا ہو، چنانچہ ذیل میں اس کے متعلق چند آیات کریمہ

مفسرین کی تشریح کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ (سورۃ النساء:۴۹)

(کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو بڑا ہی پاکیزہ بتاتے ہیں؟ حالانکہ پاکیزگی تو اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔)

اس آیت کریمہ کے تحت حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''معلوم ہوا کہ اپنے کو پاک باز کہنا اور تقدس کا دعوی کرنا صریح گناہ ہے۔''(معارف القرآن: جلد ۲ ص ۲۳۰)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کے متعلق عنوان **''اپنی مدح سرائی اور عیوب سے پاک ہونے کا دعویٰ جائز نہیں''** قائم کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

> اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنی یا دوسروں کی پاکی بیان کرنا جائز نہیں ہے، یہ ممانعت تین وجہ سے ہے: (۱)...: اپنی مدح کا سبب اکثر کبر ہوتا ہے تو حقیقت میں ممانعت کبر سے ہوئی۔ (۲)...: یہ کہ خاتمہ کا حال اللہ کو معلوم ہے کہ تقویٰ وطہارت پر ہوگا یا نہیں، اس لیے اپنے آپ کو مقدس بتلانا خلافِ خوفِ الٰہی ہے۔ (۳)...: ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات اس دعوی سے لوگوں کو یہ وہم ہونے لگتا ہے کہ یہ آدمی اللہ کے ہاں اس لیے مقبول ہے کہ یہ تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہے، حالانکہ یہ جھوٹ ہے، کیونکہ بہت سے عیوب بندہ میں موجود ہوتے ہیں۔ (معارف القرآن: جلد ۲ ص ۴۳۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بیان القرآن میں لکھتے ہیں:

''اس میں دعویٰ تقدس پر انکار ہے اور اس میں بجز اہل فنا کے بہت مشائخ مبتلا ہیں۔ (بیان القرآن: جلد ۱ ص ۳۶۱)

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى (سورۃ النجم ۳۲)

(تم اپنی پاکیزگی مت بیان کرو، وہ خوب جانتا ہے کہ کون متقی ہے)

حضرت تھانویؒ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ ''اس آیت کریمہ میں دعوی تقدس سے صریح ممانعت ہے۔''(جلد ۲ ص ۴۷۵)

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحبؒ معالم العرفان میں فرماتے ہیں:

''آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ امیروں، وزیروں، اور عہدیداروں کی ان کے حاشیہ بردار کتنی تعریفیں کرتے ہیں، ان کو سپاس نامے پیش کیے جاتے ہیں جس میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں، آپ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ایسے معاملے میں مبالغہ آرائی سے منع کیا گیا ہے، صرف حقیقت بیان کرنے کی اجازت ہے۔'' (جلد ۱۷ص ۴۱۸)

القابات میں مبالغہ آرائی احادیثِ طیبہ کی روشنی میں: ایک مرتبہ ایک شخص نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک دوسرے آدمی کی خوب مدح وتعریف کی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''**ویحک، قطعتَ عنقَ صاحبِک**'' افسوس ہے تجھ پر تو نے تو اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی۔ پھر فرمایا کہ اگر تمہیں کسی کی تعریف کرنی ہو تو ان الفاظ سے کرو کہ میرے علم کے مطابق یہ شخص نیک ومتقی ہے ''**وَلا أُزَكّي على الله أحداً**'' یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسا ہی ہے جیسا میں سمجھ رہا ہوں۔ (**صحیح بخاری: کتاب الشهادات و الادب**)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت زینب بن أبی سلمہؓ فرماتی ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمھارا نام کیا ہے؟ چونکہ اس وقت میرا نام ''برّہ'' تھا (جس کے معنی ہیں نیک وگناہوں سے پاک عورت) میں نے وہی بتلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**لاتُزكّوا أنفسكم، الله أعلم بأهل البرّ منكم**'' (**رواه مسلم و بخاری: باب تحويل الاسم**)

یعنی تم اپنے آپ کی گناہوں سے پاکی بیان نہ کرو، کیونکہ یہ علم صرف اللہ ہی کو ہے کہ تم میں سے نیک اور پاک کون ہے، پھر برہ کے بجائے آپ نے زینب نام رکھا۔ مطلب یہ ہے کہ جب کسی کا نام برہ (نیک عورت) ہوگا تو اس سے جب دریافت کیا جائے گا۔ کہ تم کون ہو؟ تو ظاہر سی بات ہے کہ وہ یہ کہے گی ''برّہ'' یعنی میں نیک اور گناہوں سے پاک خاتون ہوں، اس میں چونکہ بظاہر صورتاً خود اپنی زبان سے نیک ہونے کا دعویٰ پایا جاتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔

خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کے متعلق ارشاد فرمایا ''**لا تُطرُونی كما أَطرت النصارىٰ عيسى ابن مريم**'' یعنی لوگو! میری تعریف میں مبالغہ سے کام نہیں لینا جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسی بن مریمؑ کے متعلق مبالغہ اختیار کیا ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کو الوہیت کا

درجہ دیے کر خود کافر اور مشرک بن گئے، میرے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا "اِنی عبداللہ و رسولہ" میں تو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، لہٰذا تم بھی مجھے اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہو۔

(بخاری شریف باب قول اللہ واذکر فی الکتاب)

ایک اعتراض اور اس کا جواب: یہاں پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ بعض مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بعض صحابہ کرامؓ کی مدح اور تعریف فرمائی ہے، اور ان کو اچھے اچھے القابات سے نوازا ہے۔ حضرت عثمانؓ کے بارے میں فرمایا: "وأصدقهم حياءً اعثمان" حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا: "وأقضاهم علی"، حضرت عبیدہ بن جراحؓ کے بارے میں فرمایا: "وأمين أمتی عبيدة بن الجراح، وأعلم أمتي بالحلال معاذ بن جبل، وأقرأهم أبی موسی، نعم العبد عبد اللہ بن عمرو غير ذلک"

جواب: اس سوال کا جواب امام نوویؒ، حافظ ابن حجرؒ، اور علامہ ابن بطالؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ صرف حقیقتِ حال بیان کرنے کی اجازت ہے کہ میرے علم کے مطابق فلاں آدمی میں یہ خوبی ہے اس میں مبالغہ سے کام لینا جائز نہیں، جیسا کہ "المدّاحين" (بہت زیادہ تعریف کرنے والے) کا لفظ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی صرف اس شخص کے متعلق کہا جاسکتا ہے جس کے متعلق تکبر اور عجب کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابہ کرامؓ کے بارے میں یقین تھا کہ وہ حضرات اس سے فتنہ میں مبتلا نہیں ہوں گے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی چونکہ صحابہ کرامؓ کے علاوہ دیگر لوگوں کے متعلق فتنہ میں ابتلا کا اندیشہ غالب ہے لہٰذا دوسرے لوگوں کی تعریف سے بچنا چاہیے۔ (شرح صحیح البخاری لابن البطال علیہ الرحمۃ: باب مایکرہ من التمادح: جلد ۹ ص ۲۵۳) (فتح الباری: باب مایکرہ من التمادح: جلد ۱۰ ص ۴۷۶)

فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں: قرآن وسنت کے ماہرین حضرات فقہائے کرام نے بھی نیکی، تقدس، پاکیزگی، بڑائی اور مدح سرائی میں مبالغہ کا تاثر دینے والے ان القاب کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ مالکیہ کے مشہور فقیہ علامہ ابن الحاج المالکیؒ لکھتے ہیں:

"اس بدعت سے بچنا ضروری ہے جو وبا کی طرح پھیل گیا ہے اور شاید ہی اس کی زد سے

کوئی بڑا چھوٹا محفوظ رہا ہو، اور وہ یہ نئے اور خودساختہ القابات ہیں جو شریعت کے سراسر مخالف ہے۔ وہ ہیں فلانالدین وفلان الدین۔ عالم کے لئے تو اورزیادہ ضروری ہے کہ وہ اس جیسے القاب سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ اس سلسلے میں لوگوں کو بھی سمجھائیں کہ یہ القاب شریعت کے مخالف ہیں لہذا ان کو اس جیسے القاب سے نہ پکاریں۔ ایسے القاب و اسماء کو استعمال کرنا جو تزکیہ اور تعریف پر مشتمل ہو اس کی ممانعت کتاب اللہ، سنت رسول اور علماء کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے نیز یہ غلط بیانی اور جھوٹ میں داخل ہوکر سلف صالحین کے عمل کے بالکل مخالف ہے۔''

(المدخل: جلد ا ص ۱۱۱)

مولانا عبدالحئی لکھنویؒ نے فوائد بہیہ کے آخر میں لکھا ہے کہ عراق کے فقہا میں عام طور پر القاب میں سادگی تھی، وہ کاروبار، محلہ، قبیلہ یا گاؤں کی طرف نسبت کرنے پر اکتفا کیا کرتے تھے، جیسے جصاص (گچ والا)، قدوری (ہانڈی والا)، طحاوی (طحا گاؤں کا باشندہ)، کرخی (مقام کرخ کا باشندہ)، صیمری (صیمرہ کا باشندہ)۔ خراسان اور ماوراء النہر میں عام طور پر القاب میں مبالغہ کیا جاتا تھا اور دوسروں پر ترفع ظاہر کیا جاتا تھا جیسے: شمس الائمہ، فخر الاسلام، صدر الاسلام، صدرِ جہاں، صدر الشریعہ وغیرہ اور یہ صورت زمانہ مابعد میں پیدا ہوگئی تھی۔ پہلے زمانے کے لوگ اس قسم کی باتوں سے پاک تھے۔ (فوائد بہیہ ص ۱۰۰، بحوالہ: آپ فتویٰ کیسے دیں: ص ۵۰)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں بعض مخترع القاب کے متعلق فرمایا: ''خبر نہیں لوگ کس عبث اور فضولیات میں مبتلا ہیں، اس سے ان لوگوں کے مذاق کا پتہ چلتا ہے، کوئی شیخ الحدیث ہے، کوئی استاد الحدیث، کوئی شیخ التفسیر کوئی شیخ الجامعہ، یہ اس قسم کے جھگڑے ابھی شروع ہوئے ہیں۔ ہمارے بزرگوں میں تو ان چیزوں کا نام ونشان بھی نہ تھا، یہ سب جاہ طلبی ہے اور سب سے زیادہ اچھی اور خوبی کی بات تو وہی ہے جو پہلے اپنے بزرگوں میں تھی، سادگی، اسی میں برکت ہے، ان چیزوں میں برکت کہاں، یہ سب نئی روشنی کا اثر ہے۔''

(ملفوظات حکیم الامت جلد ا ص ۲۷۳)

حضرت مولانا علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ طلاق کے ایک مسئلہ میں کشمیر کے

علماء میں اختلاف ہو گیا۔ فریقین نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کو حکم بنایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دونوں کے دلائل غور سے سنے، ان میں سے ایک فریق اپنے موقف پر فتاویٰ عمادیہ کی ایک عبارت سے استدلال کر رہا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا ''میں نے دارالعلوم کے کتب خانے میں فتاویٰ عمادیہ کے ایک صحیح قلمی نسخے کا مطالعہ کیا ہے اس میں یہ عبارت ہر گز نہیں ہے لہذا یا تو ان کا نسخہ غلط ہے یا یہ لوگ کوئی مغالطہ انگیزی کر رہے ہیں، ایسے علم و فضل اور ایسے حافظہ کا شخص اگر بلند و بانگ دعوے کرنے لگے تو کسی درجہ میں اس کو حق پہنچ سکتا ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ اس قافلہ رشد و ہدایت کے فرد تھے جس نے ''من تواضع لله'' کا عملی پیکر بن کر دکھایا تھا، چنانچہ اسی واقعہ میں انہوں نے حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوریؒ کو اپنا فیصلہ لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے نام کے ساتھ ''الحبر البحر'' (عالم متبحر) کے دو تعظیمی لفظ لکھ دیئے، حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھا تو قلم ہاتھ سے لے کر زبردستی خود یہ الفاظ مٹائے، اور غصہ کے لہجے میں مولانا بنوریؒ سے فرمایا: ''آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے''۔

خط کشیدہ جملہ ملاحظہ فرمایئے کہ وہ تواضع کے کس مقام کی غمازی کر رہا ہے؟ اور یہ محض الفاظ ہی نہیں ہیں بلکہ وہ واقعۃً اپنے تمام کمالات کے باوجود اپنے آپ کو ایک معمولی طالب علم سمجھتے تھے اور اس دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مظہر اتم تھے: ''اللھم اجعلنی فی عینی صغیراً وفی أعین الناس کبیراً''۔

(اکابر دیوبند کیا تھے: ص ۹۷، ۹۸)

حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین علم و فضل سمندر سینے میں جذب کر لینے کے باوجود، ان کی تواضع، سادگی، اور للّٰہیت انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

جدید ٹیکنالوجی

انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، کتنا مفید اور کتنا مضر؟

مفتی صدیق احمد
نوساری، گجرات، انڈیا

آج دنیا میں ہر طرف سہولت پسندی کا دور دورہ ہے، گزرتے ایام کے ساتھ ساتھ جدید الکٹرانک آلات وجود پذیر ہورہے ہیں جس سے بڑے بڑے فاصلے سمٹ کر رہ جاتے ہیں، سکنڈوں میں ایک پیغام دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچایا جاسکتا ہے اور باہم بات چیت کے ایسے ذرائع بھی ایجاد ہوگئے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک میں اس طرح بات کی جاسکتی ہے گویا کہ دونوں آمنے سامنے ہوں، نیز خیالات کا تبادلہ، خبروں سے آگاہی، باہم مربوط ہونا، انٹرنیٹ کے ذخائر سے فائدہ اٹھانا، نہایت ہی آسان ہو چکے ہیں۔

۱۹۸۳ء کو انٹرنیٹ ایجاد ہوا، ۱۹۹۰ء میں مزید ترقی ہوئی ۲۰۰۰ء کے بعد سوشل میڈیا کی بہت ساری سائٹس مثلاً: فیسبک، واٹساپ، ٹیلیگرام، ٹویٹر، انسٹاگرام سامنے آئی اور معاملہ یہاں تک آپہنچا کہ سوشل میڈیا لوگوں کی دلچسپی کا محور و مرکز بن گیا۔ سوشل میڈیا کا مقصد رابطوں کو فروغ دینا تھا، لیکن اسکی آڑ میں دیگر مقاصد کے لیے بھی اسکا استعمال ہونے لگا اور جوں جوں وقت گزرتا گیا ضمنی مقاصد ہی اصل مقاصد بن گئے اور اسکی اوٹ میں باطل اسلام مخالف طاقتوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیا اور نوجوان اسکو اجنبیوں سے تعلقات بڑھانے اور دنیا بھر کی خبروں پر مطلع ہونے اور اسکو دوسروں تک بھیجنے کے لیے بروئے کار لانے لگے اور مقتدر قوتیں اسے اپنے مفاد اور سیاست کے لیے استعمال کرنے لگیں۔ سوشل میڈیا ذہن سازی اور

مخصوص مقاصد کے لیے استعمال کیا جانے والا ایک ایسا ہتھیار بن گیا کہ جس ہتھیار سے ہر ایک شخص اپنے اپنے مقاصد میں پوری کامیابی حاصل کر سکتا ہے، قطع نظر اسکے کہ وہ مقاصد اچھے ہوں یا برے یہ سلسلہ چلتا رہا اور اتنا آگے بڑھ گیا کہ سوشل میڈیا دودھاری تلوار بن گیا اور صحیح استعمال کرنے والوں کے لیے بہت زیادہ مفید ثابت ہوا جبکہ غلط استعمال کرنے والوں کے لیے نہایت ہی مضر اور نقصان دہ ثابت ہوا اور ہر ایک کو اسکا خمیازہ بھگتنا پڑا جسکا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔

الغرض انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا ایک ایسا ہتھیار بن چکا ہے جو جنگی ہتھیار سے بھی زیادہ مؤثر ہے کیونکہ اسکے ذریعے دل و دماغ اور نظریات پر حملہ کیا جاتا ہے جسکا زخم کبھی مندمل نہیں ہوتا بلکہ رہ رہ کر بڑھتا رہتا ہے اور اپنا ایسا گرویدہ بنا کر چھوڑتا ہے جسکی محبت کو دل سے نکالنا ایک مشکل ترین امر ہو جاتا ہے خاص طور سے اس پرُفتن دور میں جبکہ چہار سمت فتنوں کی برسات ہو رہی ہے انسان کا اپنی ذات کو ان سب سے بے داغ رکھنا اور بھی دشوار کن ہے بہر حال ناممکن تو نہیں ۔

کوشش کرے تو پھر کیا نہیں انسان کے بس میں
یہ ہے کم ہمتی جو بے بسی معلوم ہوتی ہے

فوائد پر ایک نظر: اس کی بدولت دور دراز کے لوگوں سے بھی تعلقات کو بہتر سے بہتر بنایا جاسکتا ہے، صحیح بات کو سامنے لانے اور صحیح مسائل کو پیش کرنے میں اسکا اہم کردار ہے۔ اسکے ذریعے اپنی بات دنیا بھر میں پہنچانے کے ساتھ ساتھ اپنے نظریات کو لوگوں کے قلوب پر بٹھایا جاسکتا ہے۔ انٹرنیٹ پر موجود ذخائر سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا کر گہری معلومات حاصل کی جاسکتی ہے، مفید پروگرام اور اپنی بات دنیا بھر میں پہنچائی جاسکتی ہے، باطل اور اسلام مخالف طاقتوں کا منہ توڑ جواب دے کر انکا بھانڈا پھوڑنے کے بعد امت کو صحیح بات سے آگاہ کیا جاسکتا ہے، لوگوں کو صحیح صورتحال سے واقف کیا جاسکتا ہے، امت کے پسماندہ طبقوں کی مالی امداد کی جاسکتی ہے، مدارس و مکاتب اور مساجد میں مالی تعاون بھی پہنچایا جاسکتا ہے، تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ اپنی آواز لوگوں تک پہنچائی جاسکتی ہے، لوگوں کی زندگی بدل دینے والے مضامین و مقالات اور لیٹریچر شائع کیے جاسکتے ہیں۔ غرض بے شمار فوائد

ہیں جسے اسکی بدولت حاصل کیا جا سکتا ہے۔

نقصانات پر ایک نظر: یاد رہے اسکے نقصانات فوائد سے کہیں زیادہ ہیں، اسی لیے تو اسکا استعمال واثمهما اکبر من نفعهما کے مرادف ہے کیونکہ ۹۷ فی صد میڈیا یہودیوں کے قبضے میں ہے جن کے چار مقاصد ہیں:

(1).....: دنیا کی ہر طرح کی چیزوں میں میوزک اتنا تیز کر دے کہ لوگوں میں سوچنے، غور و فکر کرنے اور سمجھنے کی صلاحیت بالکلیہ طور پر ختم ہو جائے اور اُدھر وہ لوگ سائنسی ایجادات، نئے نئے انکشافات کر کے اپنا لوہا منواتے رہیں۔ (2).....: جو کوئی معاشرہ ایسا ہو جس کو لوگ پسند کرنے لگے ہوں اور جس سے لوگ متأثر ہونے لگے ہوں اسکے کردار پر انگلی اٹھائے، اسکے لیے انتھک کوشش کر کے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف زہر اُگلنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ عملی اقدام کرنے سے ذرہ برابر بھی پیچھے نہیں ہٹتے گویا کہ وہی انکا اوڑھنا بچھونا ہے۔ (3).....: لوگ ہر کام میں انکے ذہنی غلام بن جائیں اور ہر کام کو نعوذ باللہ اللہ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے یہ کہتے ہوئے نظر آئیں کہ امریکا کرتا ہے۔ (4).....: جنسی آزادی کی وہ صورتحال پیدا کی گئی کہ جسکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا چنانچہ ۹۰ فی صد ڈراموں میں خاندانی یونٹ کو توڑا جاتا ہے، اظہار آزادی رائے اور پرسنل لائف نے خاندان، معاشرہ اور سماج کے نظام کو اس طرح تباہ و برباد کر دیا کہ جسکا تصور بھی ممکن نہ تھا۔

یہودی افکار کو فروغ دینے کے لیے پرنٹ میڈیا، الکٹرانک میڈیا اور سوشل میڈیا کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ لوگوں کو انکے ذریعے ایسا میسیج دیا جا رہا ہے کہ لادینیت عروج پر پہنچے، ایک دوسرے سے ملنے کے لیے وقت ختم ہوتا جا رہا ہے۔ چونکہ اب تو لوگوں کو میڈیا نے قریب ہونے کے باوجود اتنا دور کر دیا ہے کہ کوئی میٹھے بول کے لیے، بیماروں کی عیادت کے لیے تو وقت کیا نکالتا ماں باپ سے بات چیت کرنے اور انکی دیکھ ریکھ کرنے کے لیے بھی انکے پاس ٹائم نہیں ہوتا۔ بلا سوچے سمجھے سوشل میڈیا کے ذریعے کوئی بھی پیغام دیدیا جاتا ہے، اس بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ میری کہی ہوئی بات کے کیا اثرات مرتب ہونگے؟ میڈیا نے سچ اور جھوٹ کی پہچان مشکل بنا دی ہے۔

میڈیا کے ذریعے لڑکیوں میں بے باکی، بے پردگی، بے حیائی، فحاشی وعریانیت وجود میں آرہی ہے اور غیرت وحمیت شرم وحیا کا جنازہ نکلتا جارہا ہے، اسکے ذریعے ہماری نئی نسل اپنے والدین کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہے نیز جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام پر ایسے نظریات مسلط کیے جارہے ہیں کہ جس سے معاشرے میں منفی رجحان فروغ پا رہا ہے۔ لوگوں کی سوچ وفکر کو تبدیل کیا جارہا ہے، اب تو انسان کے دل سے خوف بھی نکل چکا ہے۔ وہ یہ بھول گئے ہیں کہ ایک دن ان کو اللہ کے حضور پیش ہونا ہے اور ہر عمل کا جواب دینا ہے۔

اسکے ذریعے انسان کے نظریات پر حملہ کیا جارہا ہے، میڈیا کے استعمال کی وجہ سے جنسی جرائم بڑھ رہے ہیں، زنا، چوری، ڈاکہ زنی، سے لے کر تمام برائیوں میں آئے دن اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ سوشل میڈیا کے ذریعے عوام وخواص کے ذہنوں کو کنٹرول کیا جارہا ہے۔ بریں بنا حکومت اسکو اپنی واہ واہ کرانے کے لیے اور بہت سے بدمعاش عناصر گنڈا گردی کے ذریعے اپنا خوف وہراس لوگوں کے دلوں میں ڈالنے کے لیے استعمال کرتے ہیں اور اسکے استعمال کرنے والے ایسے گرویدہ ہوجاتے ہیں کہ ایک منٹ بھی سوشل میڈیا یا الکٹرانک آلات کے استعمال کے بغیر نہیں رہ پاتے ہیں اور اسی میڈیا کی بدولت امت پر ایسے افراد کو مسلط کیا جاتا ہے جسکے منہج میں ہی غلطی ہو اور انٹرنیٹ، میڈیا، جدید آلات انسان کی تمام پسندیدہ اور ناپسندیدہ چیزوں کو محفوظ کر لیتا ہے اور اسکی آڑ میں حکومت ممنوعہ چیزوں کے استعمال پر نظر رکھتی ہے اور کسی بھی وقت گرفت کر لیتی ہے۔

الکٹرانک آلات کے ایجاد ہونے سے قبل کسی کو گمراہ کرنے یا اپنے نظریات کو لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ کرنے کے لیے افراد، فوج، اور ایجنٹ بھیجنے کی ضرورت پڑتی تھی لیکن اب تو میڈیا ایک ایسا جال بن گیا ہے کہ جس میں من مانے طور پر لوگوں کو پھنسایا جارہا ہے اور یہ ایسا ہتھیار بن چکا ہے جو اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ لوگوں کے قیمتی اوقات کو ضائع کر دیتا ہے اور اکیلے گھر میں بند رہنے کے باوجود اس کے فتنے سے محفوظ نہیں رہ سکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ میڈیا، سوشل میڈیا اور الکٹرانک آلات کا استعمال جتنا مفید اور وقت کو بچانے والا

ہے اس سے کہیں زیادہ وقت کو ضائع کرنے والا اور نہایت ہی مضر ہے۔ اس ہتھیار سے ہر ایک اپنے اپنے مقاصد میں ۱۰۰ فی صد کامیابی حاصل کر لیتا ہے اور اس جال سے ہر کوئی اپنے شکار کو پا لیتا ہے۔ آجہماری باطل کے ساتھ جو جنگ چل رہی ہے وہ ہے میڈیا کے ذریعے نظریاتی جنگ، اسکا مقابلہ بھی نظریاتی یلغار کو روک کر، صحیح بات سامنے لاکر اس میڈیا سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے میڈیا کے استعمال کی جہاں ضرورت ہے وہیں اسکے بُرے اثرات، غلط استعمال سے بچنا بھی ازحد ضروری ہے ورنہ پورے اوقات کو ضائع کرنے، زندگی کو برباد کرنے کے لیے یہ کچھ کم نہیں ہے۔ غرض اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے اسکا صحیح استعمال کیا جائے اور باطل کی عیاریوں اور مکاریوں کا پردہ فاش کر کے صحیح حقائق کو منظر عام پر لانے، صحیح نظریات، صحیح باتوں کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے اسکا استعمال کیا جائے تو ان شاء اللہ یہ بڑا ہی مفید اور زود اثر ثابت ہوگا اور اسکو صرف ضرورت کے لیے ہی استعمال کیا جائے۔

اسکے بُرے اثرات سے بچنے کے لیے ایک عملی تدبیر یہ اختیار کی جاسکتی ہے کہ جب بھی سوشل میڈیا یا الکٹرانک آلات استعمال کرے تو یہ سوچے کہ اللہ تعالی دیکھ رہا ہے اور جب ضیاع اوقات کا خدشہ ہو تو فوراً اپنی سوچ اس بات کی طرف لے جائے کہ ہمارے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ اللہ نے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ ظاہر سی بات ہے کہ ضیاع اوقات ہمارا مقصد نہیں ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر احساس ذمہ داری پیدا کریں اور خود احتسابی کا جذبہ پیدا کریں کہ ۲۴ گھنٹے میں میرا کتنا وقت یوں ہی ضائع ہو رہا ہے اور زیادہ اوقات لوگوں کے سامنے گزاریں، تنہائی میں زیادہ نہ رہیں، دینی تعلیم حاصل کرنے اور اپنے بچوں کی اسلامی تربیت کرنے کے لیے کوشاں ہوں اور اسوۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے رکھیں۔

ان تمام اقدامات سے ان شاء اللہ معاشرہ تباہی سے بچ سکتا ہے اور سوشل میڈیا، انٹرنیٹ وغیرہ کے مضر اثرات کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں ورنہ دنیا و آخرت دونوں جہاں میں ناکامی اور رسوائی کا باعث بن سکتا ہے جسکا خمیازہ آخرت میں بھگتنا پڑے گا پھر سوائے حسرت وندامت کے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

مسافران آخرت

مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب

جامعہ دارالتقویٰ کے رئیس دارالافتاء، جامعہ مدنیہ لاہور کے فاضل ومفتی، محقق عالم دین، کئی کتابوں کے مصنف، اپنے اسلاف کی روایات کے امین، ہزاروں علماء ومفتیان کے استاذ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب ۱۸ شوال المکرم ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۲ جون ۲۰۱۹ء بروز ہفتہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون

حضرت کی ولادت ۱۹۵۰ء میں ہوئی، ۱۹۷۳ء میں ایم بی بی ایس کیا، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا، اس کے بعد درسِ نظامی کی باضابطہ تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۸۳ء میں فراغت ہوئی۔ ۱۹۷۹ء سے ۲۰۱۰ء تک میڈیکل آفیسر کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔

حضرتؒ نے تخصص فی الافتاء جامعہ مدنیہ لاہور میں حضرت مفتی عبدالحمیدؒ اور حضرت مفتی قاری عبدالرشیدؒ سے کیا۔ جامعہ مدنیہ میں ۱۹۸۳ء سے ۲۰۰۴ء تک تدریس میں مشغول رہے، اس کے بعد مدرسہ احیاء العلوم لاہور میں ۲۰۰۴ء سے ۲۰۱۰ء تک تدریس کی، اس کے ساتھ جامعہ مدنیہ جدید میں بھی تشریف لے جاتے اور ایک سبق پڑھاتے تھے۔ اسی طرح دارالافتاء والتحقیق چوبرجی لاہور میں ۲۰۰۴ء سے تخصص پڑھانا بھی شروع کیا۔ ہزاروں شاگردوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔ حضرت فقاہت میں اپنی مثال آپ تھے، بے شمار تحقیقی و تصنیفی کام کیا جو ان کے لیے ایک بہترین صدقہ جاریہ ہے۔ آپ نے پڑھے لکھے اور پروفیشنل حضرات کے لیے ان کی سوچ کے لحاظ سے نیا آسان نصاب آسان تیار کیا، اس کے دو لیول بنائے: (۱)...: اولیول (۲)...: اے لیول۔ اس کے لیے آپ نے کتابیں تالیف کیں، یہ ایک مفید شارٹ کورس ہے، اسی نصاب میں آپ نے ''تفسیر فہم القرآن'' کے نام سے حضرت تھانویؒ کے ''بیان القرآن'' کی تسہیل کی، اسی طرح فہم حدیث کے نام سے تین جلدوں میں احادیثِ نبویہ کا مجموعہ ترتیب دیا۔

''اسلامی عقائد'' اور ''اُصولِ دین'' جو کہ اسلام کے بنیادی عقائد ہیں، انہیں اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لکھا۔ حضرت چونکہ پیشہ کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے، اس لیے جدید سرجری کے مسائل ٹرانسپلانٹ، اعضاء کی پیوندکاری اور میڈیکل سے وابستہ جدید چیزوں کے مسائل کے حل کے لیے آپ نے ''مریض و معالج کے اسلامی احکام'' نامی کتاب تالیف کی۔

حضرت کی تصنیفات کی فہرست درج ذیل ہیں: (1)...:تفسیر فہم القرآن (۳جلد، ۱۶ پارے مکمل)، (2)...: فہم حدیث (۳جلد، تقریباً ہر موضوع پر مشتمل احادیث کا مجموعہ) (3)...:اسلامی عقائد (4)...: اصول دین (5)...: Creed of islam (انگریزی) (6)...: Principles of islam (انگریزی) (7)...:مسائل بہشتی زیور (۲جلد، مع اضافات مفیدہ) (8)...:مریض و معالج کے اسلامی احکام (9)...:سونے چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام (10)...:فقہی مضامین (۱۴ مضامین کا مجموعہ) (11)...:مسنون حج وعمرہ مدلل (12)...:چند جدید معاشی مسائل اور مولانا تقی عثمانی مدظلہٗ کے دلائل کا جائزہ (13)...:ہدیہ جواب (مولانا تقی عثمانی صاحب کے اعتراضات کا جواب) (14)...: صفاتِ متشابہات اور سلفی عقائد (15)...:فقہ اسلامی (عائلی مسائل، مدلل) (16)...:دین کا کام کرنے والوں کے لیے چند ضروری باتیں (17)... :تنقید و تحقیق پر مشتمل چند رسائل و مضامین (18)...:تحفہ اصلاحی (مولانا امین احسن اصلاحی کے مغالطوں کی نشاندہی اور ان کا جواب (19)...:ڈاکٹر اسرار احمد کے عقائد و نظریات (20)...:تحفہ غامدی (جاوید احمد غامدی کے مغالطوں کی نشاندہی اور ان کا جواب (21)...: منکرین حدیث کے جواب میں ''قرآن کو قرآن کے کہے کے مطابق سمجھئے'' (22)...:ہدیہ فکر (تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے جواب میں) (23)...: جوابِ نفیس، حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب کی کتابوں امام حسینؓ اور واقعہ کربلا اور ''اقرارِ مودت'' پر تنقید و تحقیق (24)...:مقام عبرت (دو حصے) مولوی عمار خان ناصر کی حدود و قصاص اور توہین رسالت پر لکھی ہوئی کتابوں پر تنقید و تحقیق (25)...:صفاتِ متشابہات اور سلفی عقائد (26)...:مریض و معالج کے اسلامی احکام (27)...:جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا جائزہ۔۔۔وغیرہ

مسافرانِ آخرت

مشہور ادیب حمایت علی شاعر کی رحلت

اردو کے مشہور شاعر، ادیب اور نغمہ نگار حمایت علی بھارت کے شہر اورنگ آباد میں 14 جولائی 1926ء کو پیدا ہوئے ،ان کا پیدائشی نام حمایت طراب ہے۔ 1950ء میں پاکستان آئے اور کراچی میں رہائش اختیار کی۔ انہوں نے سندھ یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد تدریس کے فرائض بھی انجام دیئے اور رٹائرمنٹ کے بعد ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہو گئے، بعدازاں امریکا چلے گئے۔ ان دنوں کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں مقیم تھے اور کچھ عرصے سے بیمار تھے۔ 93 سال کی عمر میں 16 جولائی 2019ء کو کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں دل کا دورہ پڑنے سے رحلت فرما گئے، وہیں ان کی تدفین ہوئی۔

حمایت علی نے پہلے افسانہ نگاری سے شروعات کی، پھر انہوں نے شاعری کا رُخ کیا۔ حمایت علی شاعر کے کئی تحقیقی کارناموں میں اردو ادب میں غزل کے آغاز سے لے کر عصر حاضر تک غزل کے بدلتے اسلوب اور روایات کے ساتھ ساتھ شعرائے کرام کے انداز پر تفصیلی روشنی ڈالنا بھی شامل ہے۔ اردو شاعری میں حمایت علی شاعر کا ایک کارنامہ، تین مصرعوں پر مشتمل ایک نئی صنفِ سخن ثلاثی کی ایجاد ہے۔

حمایت علی شاعر ایک نامور مصنف، نغمہ نگار اور صداکار تھے اور ریڈیو ڈراموں میں بھی اپنی ایک منفرد پہچان رکھتے تھے۔ ان کے کئی گیت زبان زدِ عام ہوئے۔ 1950ء میں آپ کا شعری مجموعہ ''گھن گھرج'' بھارت سے شائع ہوا۔ آپ 9 عدد شعری مجموعوں کے مصنف ہیں، ان میں سے ایک گیتوں کا مجموعہ ''سرگم'' ہے۔ دیگر مجموعوں میں ''آگ میں پھول''، ''مٹی کا قرض''، ''تشنگی کا سفر'' اور ''ہارون کی آواز'' شامل ہیں۔ حمایت علی شاعر نے اردو کے مختلف شعرأ کا انتخاب ''دودِ چراغِ محفل'' کے عنوان سے شائع کیا۔ ''شیخ ایاز'' کے بارے میں ایک جامع تحقیق اسی عنوان سے شائع

ہوئی۔ 1979ء میں آپ کی دوسری تحقیق ''اردو نعتیہ شاعری کے 700 سال'' ہندوستان سے شائع ہوئی۔

ان کا ایک مجموعہ کلام ''پھول'' کے نام سے 1956ء میں شائع ہوا تھا جسے 1958 میں صدارتی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ شعروشاعری کے علاوہ آپ صحافت، ادارت، تدریس، فلم سازی، ہدایت کاری اور نغمہ نگاری سے بھی منسلک رہے۔ آپ نے حیدرآباد سندھ میں دو اخباروں میں بھی ملازمت کی جن کے نام ''جناح'' اور ''منزل'' تھے۔ ساتھ ہی آپ نے حیدرآباد، سندھ میں ''ارژنگ'' کے نام سے ایک ثقافتی ادارہ بھی قائم کیا تھا۔

حمایت علی شاعر کی اس غزل کا شمار ان کی مشہور غزلوں میں ہوتا ہے۔

ہر قدم پر نت نئے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں لوگ دیکھتے ہی دیکھتے کتنے بدل جاتے ہیں لوگ
کس لیے کیجئے کسی گم گشتہ جنت کی تلاش جب کہ مٹی کے کھلونوں سے بہل جاتے ہیں لوگ
کتنے سادہ دل ہیں اب بھی سن کے آواز جرس پیش و پس سے بے خبر گھر سے نکل جاتے ہیں لوگ
اپنے سائے سائے سرنہوڑائے آہستہ خرام جانے کس منزل کی جانب آج کل جاتے ہیں لوگ
شمع کے مانند اہل انجمن سے بے نیاز اکثر اپنی آگ میں چپ چاپ جل جاتے ہیں لوگ
شاعرؔ ان کی دوستی کا اب بھی دم بھرتے ہیں آپ ٹھوکریں کھا کر تو سنتے ہیں سنبھل جاتے ہیں لوگ

ان کی ایک اور نمائندہ غزل۔

اس کے غم کو غم ہستی تو مرے دل نہ بنا زیست مشکل ہے اسے اور بھی مشکل نہ بنا
تو بھی محدود نہ ہو مجھ کو بھی محدود نہ کر اپنے نقش کف پا کو مری منزل نہ بنا
اور بڑھ جائے گی ویرانی دل جان جہاں میری خلوت گہ خاموش کو محفل نہ بنا
دل کے ہر کھیل میں ہوتا ہے بہت جاں کا زیاں عشق کو عشق سمجھ مشغلہ دل نہ بنا
پھر مری آس بندھا کر مجھے مایوس نہ کر حاصل غم کو خدارا غم حاصل نہ بنا

☆......☆......☆

طب وصحت

کینسر کے بارے میں اہم معلومات

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

[ڈاکٹر عبدالقدیر خان مشہور سائنس دان اور پاکستان ایٹم بم کے بانیوں میں سے ہیں۔ان کا کینسر کے بارے میں اہم معلومات پر مشتمل تازہ مفید مضمون نذرِ قارئین ہے۔ادارہ]

یہ ایک سچا اور نہایت دلچسپ واقعہ ہے جو میرے ایک دوست نے مجھے بھیجا ہے۔اس کی دلچسپی اور اہمیت کی خاطر اس کو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

زندگی بھر بیمار نہ ہونے کا راز: پچھلے دنوں ایک فلم کی لوکیشن کی سلیکشن کیلئے میرا فلج ملا جانا ہوا، جو شارجہ سے بذریعہ املقین فجیرا جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔ یہاں اونٹ فارمنگ کے ساتھ بہت وسیع ریس کورس بھی ہے۔ ہے تو گاؤں لیکن جدید سہولتوں سے آراستہ ہے۔ہم گیارہ بجے پہنچے تو گائیڈ سے ریس کورس کا راستہ پوچھ کے اس کے ساتھ ہولئے، راستے میں ایک قدیم مسجد دیکھنے کو ملی اور اس کے ساتھ ہی چائے کی کینٹین جس کے باہر بینچ پر کئی عربی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ان میں ایک کافی بوڑھا شخص بھی تھا جو شکل سے بلوچ لگتا تھا۔میں علم کی تلاش میں سرگرداں، خود سے شرط باندھی کہ اس بوڑھے کے ساتھ چائے نہ پی تو نام رہے اللہ کا۔

اسٹاف کو دور بٹھایا اور چائے لے کر ان کے پاس جا کر سلام کیا تو اندازہ درست نکلا، وہ بلوچ ہی تھے۔اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے پاس بٹھا لیا اور پھر میرے اصرار پر اُونٹوں کے بارے میں نہایت مفید اور تفصیلی معلومات فراہم کیں جس کا ذکر پھر کبھی کروں گا لیکن ایک دلچسپ

بات کہے بنا نہیں رہ سکتا کہ نسلی اونٹ میں انا کا بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ خیر بات ختم کرتے وقت میں نے اپنی عمر بتائی اور ان کی پوچھی تو معلوم ہوا 95 برس کے ہیں اور ان کی والدہ کا انتقال 105 برس کی عمر میں ہوا تھا۔ کہنے لگے تم تو میرے مقابلے میں ابھی جوان ہو۔ میں نے بات کو پلٹتے ہوئے اور ذرا ہچکچاہٹ سے پوچھا کہ اچھی صحت کا راز تو بتائیں۔ کہنے لگے بس بیمار نہ پڑو۔ میں نے کہا یہ تو ہمارے بس کی بات نہیں۔ ہنستے ہوئے کہنے لگے بہت آرام سے ہمارے بس کی بات ہے۔ میں نے کہا آپ بتائیں میں ضرور عمل کرونگا۔ میرے قریب آکر آہستہ سے کہنے لگے مُنہ میں کبھی کوئی چیز بسم اللہ کے بغیر نہیں ڈالنا چاہیئے، پانی کا قطرہ ہو یا چنے کا دانہ۔ میں خاموش سا ہوگیا۔ پھر کہنے لگے اللہ نے کوئی چیز بے مقصد اور بلا وجہ نہیں بنائی، ہر چیز میں ایک حکمت ہے اور اس میں فائدے اور نقصان دونوں پوشیدہ ہیں۔ جب ہم کوئی بھی چیز بسم اللہ پڑھ کر مُنہ میں ڈالتے ہیں تو اللہ اس میں سے نقصان نکال دیتا ہے۔ ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، پیو اور دل میں بار بار خالق کا شکر ادا کرتے رہو اور جب ختم کرلو تو بھی ہاتھ اُٹھا کر شکر کرو کبھی بیمار نہ پڑو گے۔ میری آنکھیں تر ہو چکی تھیں ۔ ہمارے بعض مولوی حضرات اور عالموں سے یہ کتنا بڑا عالم تھا۔

دیر ہو رہی تھی، میں سلام کر کے اُٹھنے لگا تو میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے، کھانے کے حوالے سے آخری بات بھی سنتے جاؤ۔ میں ''جی'' کہہ کر پھر بیٹھ گیا۔ کہنے لگے اگر ساتھ بیٹھ کر کھا رہے ہو تو کبھی بھول کے بھی پہل نہ کیا کرو چاہے کتنی ہی بھوک لگی ہو، پہلے سامنے والے کی پلیٹ میں ڈالو، وہ جب تک لُقمہ اپنے مُنہ میں نہ رکھ لے تم شروع نہ کیا کرو۔ میری ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ اس کا فائدہ پوچھوں لیکن وہ خود ہی کہنے لگے یہ تمہارے کھانے کا صدقہ ادا ہوگیا اور ساتھ ہی اللہ بھی راضی ہوا کہ تم نے پہلے اس کے بندے کا خیال کیا۔ یاد رکھو غذا جسم کی اور بسم اللہ روح کی غذا ہے، اب بتاؤ کیا تم ایسے کھانے سے بیمار پڑ سکتے ہو؟

یہ بیان کردہ واقعہ صحت سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ کو چند اور مفید و اہم باتیں صحت و بیماری کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ کینسر کی بیماری بہت موذی اور تکلیف دہ ہے۔ آیئے اس سے متعلق چند آسان نسخے بیان کرتا ہوں:

(1)۔۔۔: بین الاقوامی کینسر کے علاج کی دوائیں بنانے والے کبھی یہ نہیں بتاتے کہ کینسر محض

وٹامن B-17 کی کمی کا نام ہے اور بین الاقوامی سطح پر ایسے ٹانک بنانا ممنوع ہیں جو B-17 فراہم کرتے ہوں۔ اللہ پاک نے بادام میں B-17 کی اچھی مقدار رکھی ہے۔ اگر آپ روزانہ بادام کے 6,7 دانے کھالیں تو B-17 کی کمی کی بیماری نہیں ہوتی ہے۔ بادام کھایئے اور کینسر سے محفوظ رہیے۔

(2)...: چقندر، گاجر، سیب اور ایک لیموں کا عرق اگر صبح شام آپ استعمال کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کو کینسر سے نجات دلاتا ہے اور محفوظ بھی رکھتا ہے۔

(3)...: کریلے کے تین چار چھلکے کاٹیں، کپ میں ڈال کر گرم پانی اس پر ڈالیں، چند منٹ رہنے دیں اور پھر یہ پانی دو تین مرتبہ پی لیں، ان شاء اللہ کینسر کے سیل ختم ہو جائیں گے۔

(4)...: ناریل (کھوپرا) کے چند باریک ٹکڑے کاٹیں اور اس پر گرم پانی ڈال دیں۔ کچھ وقت کے بعد پانی سفید ہو جائے گا، اس کے پینے سے کینسر کے سیل ختم ہو جاتے ہیں۔

(5)...: ایک لیموں لے کر اس کا عرق نکالیں۔ اس میں نیم گرم پانی ڈالیں، اگر شوگر کی بیماری نہیں ہے تو اس میں شہد ملا کر تین مرتبہ دن میں استعمال کریں۔ ان شاء اللہ آرام ملے گا۔

(6)...: سرسوں کا ساگ کھانے سے کینسر کا خطرہ نہیں رہتا۔

(7)...: تحقیق کے مطابق مختلف اقسام کے کینسر سے بچنے کیلئے درج ذیل اشیا کا استعمال بھی مفید پایا گیا ہے۔ بروکلی، گاجر، پھلیاں لوبیا، بیریز، دارچینی، خشک میوہ جات یعنی بادام، مغز، اخروٹ کی گری وغیرہ، روغن زیتون، ہلدی، سٹرس فروٹ، اَلسی کے بیج، ٹماٹر وغیرہ۔

(8)...: ناصر دواخانہ 0476211434 سے سچی بوٹی کی گولیاں خریدیں اور چار صبح چار دوپہر چار شام کو پانی سے لیں۔ اس سے کیموتھراپی وغیرہ کا اثر یعنی بال گرنا، ہوموگلوبین کم ہونا، نہیں ہوتا۔ یہ آزمایا ہوا نسخہ ہے۔

اللہ پاک ان تمام مریضوں کو جن کو یہ موذی مرض لاحق ہے، مکمل شفا دے، تندرست رکھے اور عمر دراز کرے۔ آمین!

☆......☆......☆

تعلیم وتربیت

تفسیر جلالین کی تدریس کیسے کی جائے

مولانا احسن خدامی

بندہ کو بفضلہٖ تعالیٰ چونکہ کئی سال جلالین کی تدریس کی سعادت نصیب رہی ہے اس لئے ایک ساتھی کے حکم پر اپنے اساتذہ کرام کے ارشادات اور اپنے تجربات کی روشنی میں جلالین کی تدریس سے متعلق چند باتیں عرض کیں۔ باقی احباب کے نفع اور اکابر اساتذہ کرام کی طرف سے مزید رہنمائی کی خاطر ان پراگندہ معروضات کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)......: جلالین پڑھاتے وقت پہلے آیت کا مکمل ترجمہ کریں، اس کے بعد ایک ایک کر کے تشریحی الفاظ کا ترجمہ اور تشریح کرتے جائیں۔ اگر آیت اور تشریحی الفاظ کا ایک ساتھ ترجمہ شروع کریں گے تو گڑبڑ مچ جائے گی، طلبہ الجھ جائیں گے۔ یہ حکم بندہ کو بندہ کے استاد حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب مدظلہ ظاہر پیر والوں نے دیا تھا۔

(۲)......: جلالین پڑھاتے وقت ایک زبردست گڑبڑ یہ پیش آتی ہے کہ صاحب جلالین بعض آیات میں متعدد قراءت بیان فرماتے ہیں۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ صاحب جلالین کے ہاں روایت حفص کے علاوہ کوئی اور قراءت راجح ہوتی ہے تو وہ متن میں اس کو تحریر فرماتے ہیں اور پھر وفی قراءۃ کہہ کر روایت حفص کو ذکر کرتے ہیں، ہمارے یہاں چونکہ ماشاءاللہ کاتب حضرات بھی کسی علامہ مفتی سے کم نہیں ہوتے تو وہ جب متن میں قرآن پاک کو ''غلط'' لکھا ہوا دیکھتے ہیں تو اپنی دانست میں اس کی تصحیح کر دیتے ہیں۔ اس سے یہ صورت حال پیدا ہوتی ہے کہ دونوں جگہ ایک ہی قراءت لکھی جاتی ہے اور طالب یا استاد بہت گڑبڑاتا ہے۔

مثلاً صاحب جلالین لکھتے ہیں: ''واللہ خبیر بما تعملون. وفي قراءة يعملون''

اب کاتب صاحب پہلے والے تعملون کو بھی ''ٹھیک'' کر کے یعملون کر دیتے ہیں تو عبارت کچھ یوں ہو جاتی ہے: **و اللہ خبیر بما یعملون، و فی قراءۃ یعملون**

اب طالب یا استاد چکرا جاتا ہے کہ یہ کیا معاملہ ہے، سارا سال اسی گرداب سے نکلنے کے لئے مختلف کتب کی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ اگر جلالین کا کوئی معتبر نسخہ پاس نہ ہو تو پھر صاحب جلالین والی قراءت کو روح المعانی یا قرطبی وغیرہ میں تلاش کرنا پڑتا ہے۔

(۳)......: حضرت صوفی سرور صاحب رحمہ اللہ نے جلالین کے کچھ حصے کی ایک شرح لکھی تھی جو تقریباً نایاب ہے اور بڑی ردوکد سے ملتی ہے، اگر حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کے کسی مرید یا خلیفہ سے تعلق ہو تو ان کی مدد سے حاصل کرنے کی کوشش کریں، وہ بہت مفید اور مختصر ہے، غالباً پچاس روپے میں مل جائے گی مگر بہت قیمتی ہے، اس سے جلالین کی تدریس کا ایک انداز سامنے آجاتا ہے۔

(۴)......: اغراض جلالین: صاحب جلالین آیت کے درمیان جو تشریحی الفاظ لکھتے ہیں ان میں سے ہر لفظ کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے، اس غرض کو سمجھنے سے جلالین کا اصل فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً لغوی تشریح، صرفی تشریح، نحوی تشریح، سوال مقدر کا جواب، اختلاف قراءت کا بیان، شان نزول کا بیان، ناسخ و منسوخ کا بیان، وغیرہ وغیرہ۔۔۔ یہ کل 18 اغراض ہیں جن کے تحت صاحب جلالین عموماً کسی تشریحی لفظ یا جملے کو لاتے ہیں۔

حضرت صوفی سرور صاحب رحمہ اللہ والی شرح کے شروع میں وہ سب اغراض نمبر وار لکھی ہوئی ہیں، استاد کو چاہئے کہ جلالین پڑھاتے وقت ہر تشریحی جملہ کی غرض کو محنت سے متعین کر کے بیان کرے۔

(۵)......: صاحب جلالین (دونوں ہی حضرات رحمہما اللہ) روایات کے بیان میں خاصے متساہل ہیں اور بسا اوقات ایسی ایسی ضعیف بلکہ موضوع روایات بیان فرما دیتے ہیں جو کسی طرح بیان کرنے کی نہیں ہوتیں۔ یہ بات طلبہ کو اول دن ہی سمجھا دینی چاہیے اور جہاں ایسی کوئی روایت آئے تو جواب میں الجھنے یا طلبہ کو الجھانے کے بجائے اس کی موضوعیت صاف بیان کر دینی چاہیے۔

قصوروار اور ظالم کون؟

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

ترتیب: مولانا راشد حسین

[شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس برمنگھم میں مورخہ 07 جولائی 2019 کو **"عقیدۂ ختمِ نبوت کی اہمیت وضرورت اور مرزا غلام احمد قادیانی کی زبان درازیاں"** کے موضوع پر بصیرت افروز اور فکر انگیز خطاب فرمایا۔ حضرت کی گفتگو کے عین مطابق چند روز قبل قادیانیوں نے امریکی صدر کے سامنے اپنی مظلومیت کا جھوٹا پروپگنڈا پیٹتے ہوئے خود کو مظلوم بنا کر پیش کیا۔ موجودہ حالات کے تناظر میں یہ بیان انتہائی اہم ہے۔ اس خطاب کا ابتدائی حصہ افادہ عام کے لیے نذرِ قارئین ہے۔ ادارہ]

ایک بات آج کے ماحول میں خاص طور پر یاد رکھنی چاہیے، بسا اوقات ہم لوگ اس سے غافل رہتے ہیں یا اس بات کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ آج وہ لوگ جو ایک جھوٹی نبوت کے متبع اور پیروکار ہیں، وہ دنیا کے سامنے اپنے آپ کو مظلوم بنا کے پیش کر رہے ہیں، خاص طور سے مغربی ممالک میں کہ "ہمارے ساتھ ظلم ہوا ہے، ہمیں مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے، ہمیں غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔ ہم تو اللہ کو مانتے ہیں، ہم رسول اللہ کو تسلیم کرتے ہیں، ہم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، ہم روزے رکھتے ہیں۔" اور یہ بات ناواقف لوگوں کو بسا اوقات اپیل کر جاتی ہے کہ ہمیں تو کوئی خاص فرق نظر نہیں آ رہا۔

یہ سب باتیں لوگوں کو گمراہ کرنے اور مغالطہ دینے کے لیے کہی جاتی ہیں اور بسا اوقات جو لوگ

حقیقت سے ناواقف ہیں، ان کے دل میں اتر بھی جاتی ہیں، بات یہ نہیں ہے کہ ہم نے ان کو اسلام سے نکالا، انہوں نے خود اپنی کتابوں کے ذریعے، اپنی تالیفات کے ذریعے، اپنے مقالوں کے ذریعے، اپنی تقریروں کے ذریعے پوری امتِ مسلمہ کو اسلام سے نکالا ہے۔

انہوں نے کہا کہ جو شخص مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان نہیں رکھتا، وہ نہ صرف یہ کہ مسلمان نہیں، نہ صرف یہ کہ وہ کافر ہے، بلکہ کنجریوں کی اولاد ہے۔ تو بتائیے ظلم کس کی طرف سے ہوا؟

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب دعویٰ کیا تو اس کا منطقی نتیجہ یہ کہ جو اس کو نہ مانے، اس کو کافر قرار دو تو کافر اس نے قرار دیا۔ وہ قوم جس کا پیشوا آنے کے بعد، اربوں مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہے، کہتا ہے ''یہ سب اسلام سے خارج ہیں، یہ کافر ہیں'' تو بتائیے کافر کس نے قرار دیا؟

☆......☆......☆

حضورِ یار میں حرف التجا کے رکھے تھے   چراغ سامنے جیسے ہَوا کے رکھے تھے
بس ایک اشکِ ندامت نے صاف کر ڈالے   وہ سب حساب جو ہم نے اُٹھا کے رکھے تھے
سمومِ وقت نے لہجے کو زخم زخم کیا   وگرنہ ہم نے قرینے صَبا کے رکھے تھے
بکھر رہے تھے سو ہم نے اُٹھا لیے خود ہی   گلاب جو تری خاطر سجا کے رکھے تھے
ہوا کے پہلے ہی جھونکے سے ہار مان گئے   وہی چراغ جو ہم نے بچا کے رکھے تھے
تمہی نے پاؤں نہ رکھا وگرنہ وصل کی شب   زمیں پہ ہم نے ستارے بچھا کے رکھے تھے!
مٹا سکی نہ انہیں روز و شب کی بارش بھی   دلوں پہ نقش جو رنگِ حنا کے رکھے تھے
حصولِ منزلِ دُنیا کُچھ ایسا کام نہ تھا   مگر جو راہ میں پتھر اَنا کے رکھے تھے..!!

اردو ادب

شاہ جی کی سخن پروری

احرار رہنما سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بے پناہ خطیب اور مقرر تھے۔ان کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی جلسے میں صبح تک بلا تکان تقریر کرتے اور لوگ ان کو سنا کرتے۔ان کے خطبات اور تقریروں میں ایسا جادو تھا کہ لوگ انہیں سن کر کبھی روتے تو کبھی ہنستے۔وہ بہت بڑے عالم تھے۔سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے میری ملاقات شیخ حسام الدینؒ نے ماڈل ٹاؤن میں کرائی تھی۔شیخ حسام الدین نے مجھ سے کہا کہ دو ایک شعر ترنم سے سناؤ۔میں نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو اپنی یہ غزل سنائی تھی جس کا مطلع تھا۔۔۔

اپنوں نے وہ رنج دیے ہیں بے گانے یاد آتے ہیں
دیکھ کے اس بستی کی حالت ویرانے یاد آتے ہیں

اور مقطع تھا کہ۔۔۔

کوئی تو پرچم لے کر نکلے اپنے گریباں کا جالب
چاروں جانب سناٹا ہے دیوانے یاد آتے ہیں

ان کے دل کی حالت بڑی نازک تھی۔غزل کے اشعار سن کر ان پر رقت طاری ہوگئی اور انھوں نے مجھے پڑھنے سے روک دیا۔سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ترقی پسندوں سے بڑے اچھے تعلقات تھے۔جیل میں رہنے کی وجہ سے وہ سب لوگوں سے ملا جلا کرتے تھے۔وہ خود ایک انقلابی آدمی تھے۔ساحر لدھیانوی کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے کہ ان سے اپنی ایک قطعہ بند غزل کا دوسرا شعر نہیں ہو رہا تھا۔

ملیں اسی لیے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں کہ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں

ساحر لدھیانوی فوراً سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے پاس گئے اور ان سے جا کر کہا کہ مجھ سے دوسرا شعر نہیں ہو رہا ہے۔شاہ صاحب نے سنا اور اسی وقت دوسرا شعر کہہ دیا کہ

چمن کو اس لیے مالی نے خوں سے سینچا تھا کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں

ساحر نے پوچھا کہ ”یہ شعر میرا ہے؟“ انھوں نے کہا کہ ”ہاں اب تمہارا ہوگیا۔(جالب بیتی، صفحہ ۲۴۸)

جامعہ کے شب وروز

تخصص فی الافتاء میں نئے داخلے

مفتی عبدالسمیع
استاذ جامعہ تراث الاسلام

جامعہ تراث الاسلام میں گذشتہ تیرہ سال سے تخصص فی الافتاء کا شعبہ قائم ہے، جس میں ایک سالہ تخصص کرایا جاتا ہے۔ اس کی انفرادیت اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فتویٰ نویسی کی عملی مشق و تربیت کے ساتھ ساتھ مختلف اہم شارٹ کورسز بھی کرائے جاتے ہیں۔ تخصص فی الافتاء میں چھ مفتیان کرام مقرر ہیں جو فتاویٰ کی اصلاح اور تصحیح کرتے ہیں، مختلف نصابی کتب کی تدریس بھی انہی اساتذہ کرام کے ذمہ ہے۔

گذشتہ سالوں کی طرح اس سال بھی ملک کے مختلف دینی مدارس کے فضلاء نے داخلے کے لیے درخواستیں جمع کرائیں، جن میں سے چھبیس (۲۶) علمائے کرام کا انتخاب کیا گیا۔ جامعہ میں داخلے کی دیگر شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ امیدوار نے دورہ حدیث کم از کم بتقدیر جید جدا (۷۰ فیصد) میں پاس کیا ہو، لہٰذا اس بنیاد پر جن علمائے کرام کو داخلہ دیا گیا ان کی تفصیل اور مختصر تعارف ذیل میں پیش ہے:

نمبر شمار	مکمل نام	نسبت	فراغت
۱	خلیل احمد بن شبیر احمد	رحیم یار خان	جامعہ انوار العلوم، کراچی
۲	محمد اکبر بن اسحاق	کراچی	دار العلوم کراچی
۳	سید لقمان بن میاں محمد	سوات	جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن
۴	محمد جاسم بن نصیر احمد	تربت	جامعہ فاروقیہ کراچی

۵	سلیم اللہ بن یاردل خان	کراچی	جامعہ فاروقیہ کراچی
۶	حارث نعیم بن نعیم باری	کراچی	معہد عثمان بن عفانؓ
۷	محمد رفیع بن محمد شفیع	کراچی	جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن
۸	محمد عدنان قریشی بن محمد امین	کراچی	دارالعلوم کراچی
۹	شاہ فیصل بن محمد ابراہیم	خاران	جامعہ فاروقیہ کراچی
۱۰	سید محمد طلحہ بن سید راشد علی	کراچی	جامعہ انوار العلوم، کراچی
۱۱	محمد حسین بن جمعہ خان	دیر	جامعہ تراث الاسلام، کراچی
۱۲	سجیل خان بن ایوب خان	ایبٹ آباد	دارالعلوم کراچی
۱۳	محمد ہارون بن شیر باز خان	کراچی	جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن
۱۴	حفظ الرحمن بن عبدالستار	خاران	دارالعلوم کراچی
۱۵	فضل کریم بن سعید کریم	کراچی	جامعہ فاروقیہ کراچی
۱۶	یحییٰ حسین بن محمد علی شاہ	کراچی	جامعہ اشرف المدارس، کراچی
۱۷	زین العابدین بن نجم الدین	ڈیرہ اسماعیل خان	دارالعلوم فیصل آباد
۱۸	عبدالرحیم بن عبدالکریم	برما	جامعہ بنوریہ عالمیہ
۱۹	امین اللہ بن غازی محمد	ڈیرہ اسماعیل خان	جامعہ اشرفیہ لاہور
۲۰	آفتاب بن محمد دائم	عمرکوٹ	جامعہ اشرف المدارس
۲۱	محمد وہاب بن حبیب اللہ	شانگلہ	دارالعلوم کراچی
۲۲	سید وجاہت	کراچی	جامعہ فاروقیہ کراچی
۲۳	حسین احمد بن خدارحم	خاران	جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن
۲۴	محمد داؤد بن محمد سراج	کراچی	دارالعلوم کراچی
۲۵	ابوبکر بن جان محمد	سکھر	دارالعلوم کراچی
۲۶	راشد خان بن شیر عظیم	کراچی	جامعہ فاروقیہ کراچی

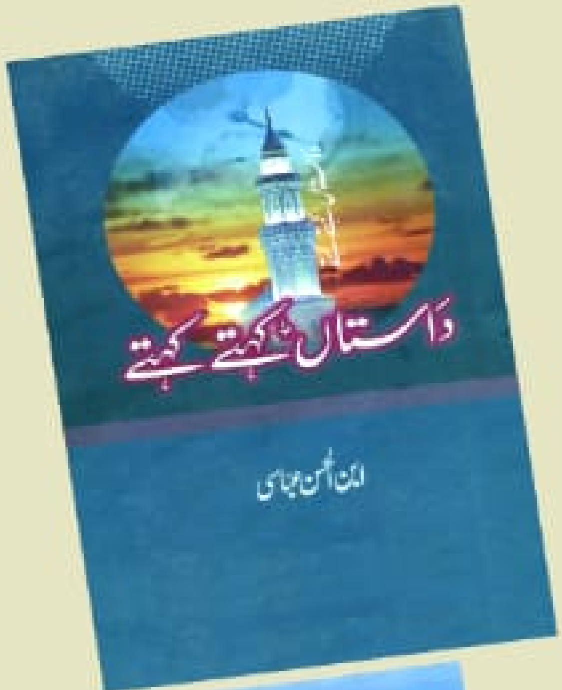
داستاں کہتے کہتے
ابن الحسن عباسی

دینی مدارس
ابن الحسن عباسی

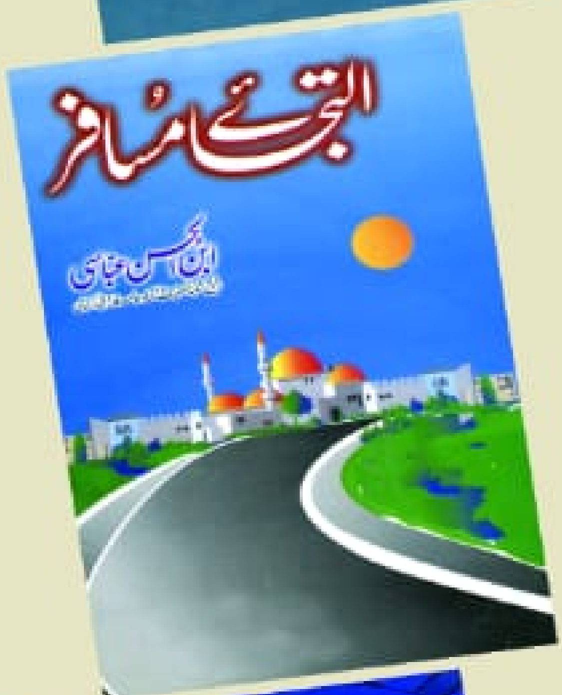
التجائے مسافر
ابن الحسن عباسی

متاعِ وقت اور کاروانِ علم
ابن الحسن عباسی

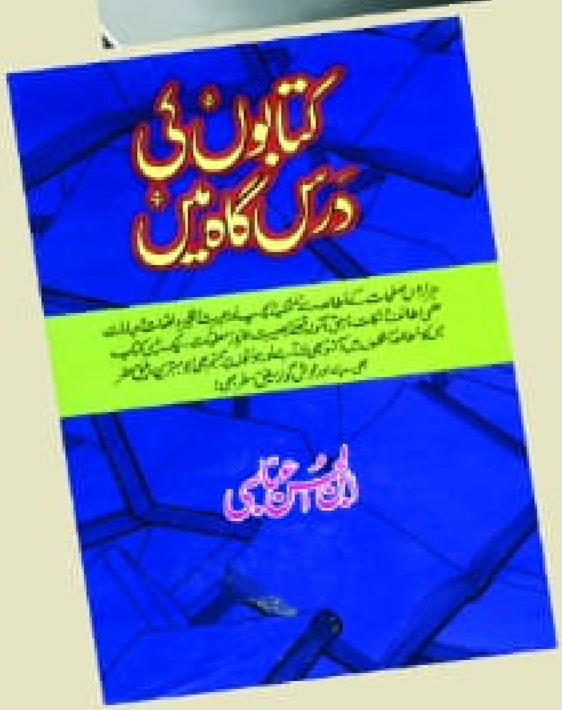
کتابوں کی درس گاہ میں
ابن الحسن عباسی

کرنیں
ابن الحسن عباسی